آفت جہاں
www.FreePdfBooks.org
محی الدین نواب

آفتِ جہاں

محی الدین نواب

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔
فون: 7352332، 7232336 فیکس: 7223584
www.ilmoirfanpublishers.com
E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

آفت جہاں

بندہ گھر کی چاردیواری میں رہے تو باہر کی بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔اپنی چھت کے نیچے رہ کر بدلتے ہوئے موسموں کی سختیوں کو اور طرح طرح کی بیماریوں کو ذرا آسانی سے جھیل لیتا ہے۔لیکن گھر سے بے گھر ہو جائے تو نہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا،اور اگر اپنے وطن سے نکل جائے تو پھر دو کوڑی کا نہیں رہتا۔نہ اس کی کوئی منزل ہوتی ہے نہ کوئی راستہ سجھائی دیتا ہے۔ایسا ہی ایک قسمت کا مارا مرزا غیاث الدین تھا۔بادشاہ وقت نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ایران کی زمین چھوڑ کر چلا جائے۔

اس اکیلے کو ملک بدر کیا گیا تھا۔لیکن اس کے پیچھے ایک بیوی تھی،ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے۔وہ انہیں بے یارومددگار چھوڑ نہیں سکتا تھا۔اور نہ ہی بیوی بچے اس کے بغیر رہ سکتے تھے۔جب وہ سامان سفر باندھ کر اپنے گھر سے نکلا تو بار برداری کے لئے اس کے پاس ایک اونٹ اور ایک بڈھا گھوڑا تھا۔اور اس کی بیوی پورے دنوں سے تھی اور ایک اندازے کے مطابق دو چار دنوں میں کسی وقت بھی زچگی ہو سکتی تھی۔

اس ماں بننے والی کو اور اس کے بچوں کو ایران میں رہنے کی اجازت تھی۔ سزا صرف ایک شخص کو دی گئی تھی' جو اُن ماں بچوں کا کفیل تھا۔ اس کے بغیر وہ اس ملک میں بے یار و مددگار نہیں رہ سکتے تھے۔ اور وہ نہیں جانتے تھے کہ گردش حالات ان کا کیا حشر کرنے والی ہے؟ انہوں نے خود کو اپنے بچوں کو اور ہونے والے بچے کو خدا کے حوالے کر دیا تھا۔ اسی ایک اوپر والے کے سہارے انجانی منزل کی طرف چل پڑے تھے۔

ایران کی سرحد پار کرتے کرتے ان کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ وہ بیچاری حاملہ نہ تو گھوڑے پر بیٹھ سکتی تھی۔ اور نہ ہی اونٹ پر سوار ہو کر سفر کر سکتی تھی۔ آگے پیچھے جھٹکے لگتے تھے اور وہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ اپنے ہم سفر کے ساتھ اونچے نیچے راستوں سے گزرنے پر مجبور ہو رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد ہوائیں سرد ہو جاتی تھیں۔ پھر سورج طلوع ہونے کے بعد موسم گرم ہونے لگتا تھا۔ پسینے چھوٹنے لگتے تھے۔ دوپہر کو دھوپ اور گرمی ایسی شدت کی ہوتی تھی جیسے سورج سوا نیزے پر آگیا ہو۔

وہ کبھی قیام کرتے رہے، کبھی آگے بڑھتے رہے۔ قندھار کے پہاڑی علاقوں سے گزرتے وقت وہ تکلیف کی شدت سے کراہنے لگی۔ ایک بڑے سے پتھر کا سہارہ لیتے ہوئے تھک ہار کر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔ "یا خدا.....! ہمارا کیا ہوگا؟"

مرزا غیاث الدین نے کہا۔ "ذرا اور حوصلہ کرو۔ ہو سکتا ہے' آگے کوئی آبادی ہو۔ وہاں آرام سے زچگی ہو سکے گی۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے پتھریلی زمین پر ہی لیٹ گئی۔ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولی۔ "اب مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔ ایک قدم بھی نہیں چل سکوں گی۔ آپ بچوں کو کچھ کھانے کے لئے دیں۔"

وہ بچوں کی طرف بڑھا۔ تو اچانک ہی دردِ زہ نے اسے چیخنے پر مجبور کیا۔ وہ پلٹ کر واپس آیا۔ پھر بولا۔ "عصمت.....! حوصلہ کرو۔ ابھی آرام آجائے گا۔"

وہ اسے دلاسہ دینے کے لئے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ عصمت النساء نے کہا۔ "آپ میری فکر نہ کریں۔ مجھے تنہا اپنے حالات سے نمٹنا ہوگا۔ بچوں کی فکر کریں۔ انہیں کچھ کھانے کو دیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "تم نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ اور ایسی آزمائشی گھڑیوں

سے گزر رہی ہو۔ ایک آدھ کھجور منہ میں رکھ لو۔"

تکلیف ایسی تھی کہ برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے حلق سے پھر چیخ نکل گئی۔ وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "آپ میری فکر نہ کریں۔ بچوں کے پاس جائیں۔"

وہ فوراً ہی بچوں کے پاس آکر ایک گٹھڑی سے کھانے کا سامان نکال کر ان کے آگے رکھتے ہوئے بولا۔ "بچو.....! کچھ کھا لو۔ اور مشکیزے سے پانی نکال کر پیتے رہو۔ میں تمہاری ماں کے پاس رہوں گا۔ ضرورت ہو تو مجھے آواز دینا۔"

وہ دوڑتا ہوا پھر عصمت النساء کے پاس آیا۔ وہ کبھی کراہ رہی تھی اور کبھی نا قابل برداشت تکلیف کے باعث چیخنے لگتی تھی۔ غیاث الدین بڑی بے بسی سے کبھی اسے دیکھ رہا تھا۔ کبھی دور دور تک نظریں دوڑا رہا تھا۔ حد نظر تک کوئی ایک آدھ گھر دکھائی دیتا تو وہاں سے کسی خاتون کو مدد کے لئے بلا لاتا۔ اب سے پہلے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی تھی۔ ان کی پیدائش کے وقت عصمت النساء اس طرح تکلیف میں مبتلا نہیں ہوئی تھی۔ یا شائد ہوئی ہو۔ اس وقت اسے سنبھالنے والی کئی خواتین تھیں۔ اس لئے پچھلی تکالیف نہ ہونے کے برابر تھی۔

اب حالات بدل گئے تھے، بے چاری بے گھر بے در ہو گئی تھی۔ سفر کی تھکان نے اسے نڈھال کر دیا تھا، جسمانی طور پر ایسی لاغر ہو گئی تھی کہ زچگی کے لمحات سے گزرتے وقت رہ رہ کر چیخیں مار رہی تھی۔ اس کی ایک ایک چیخ غیاث الدین کے دل میں خنجر کی طرح اتر رہی تھی۔ وہ شرمندہ تھا کہ اپنی شریک حیات کا دکھ بانٹ نہیں سکتا تھا۔

آہ.....! کچھ عرصہ پہلے اسے کس قدر عروج حاصل تھا۔ اس کے والد محترم کا اسم گرامی خواجہ محمد شریف تھا۔ دولت و مسرت ان کے قدم چومتی تھی۔ خواجہ محمد شریف دربار شاہی میں وزارت کے ایک عہدے پر فائز تھا، پھر اچانک ہی حالات بدلنے لگے۔ دوسرے اعلیٰ عہدیداروں نے خواجہ محمد شریف کے خلاف سازشوں کے ایسے جال بچھائے، غلط الزامات کے ایسے پتھر برسائے کہ وہ بیچارہ برداشت نہ کر سکا۔ صدمے سے مر گیا۔

اس کا بیٹا مرزا غیاث الدین بھی دربار شاہی میں ایک عہدے دار تھا۔ انہوں نے باپ کے الزامات بیٹے پر دھرے تو شاہ ایران نے احکامات صادر کئے۔ "مرزا غیاث الدین کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد ضبط کر لی جائے۔ اور اسے ملک بدر کر دیا جائے....."

اب دربدری میں یہ حالت ہو رہی تھی کہ شریک حیات زچگی کے عذاب سے گزر رہی

تھی، چھوٹے بچے کبھی ایک وقت کبھی دو وقت کھاتے تھے اور کبھی فاقے کرتے تھے جھلسا دینے والی دھوپ اور گرمی نے انہیں اور زیادہ نڈھال کر دیا تھا۔ وہ جتنا حوصلہ کر رہے تھے اتنی ہی زمین تنگ اور آسمان نامہربان ہوتا جا رہا تھا۔

ایسے ہی وقت عصمت نے ایک اور چیخ ماری پھر ایک دم سے خاموش ہو گئی۔ مرزا غیاث نے چونک کر شریک حیات پر نظر ڈالی۔ وہ اطمینان کا سانس لیتے ہوئے خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ اس نے ذرا سر گھما کر دیکھا کچھ فاصلے پر ایک ننھی سی بچی زمین پر پڑی ہوئی تھی۔

وہ بالکل ساکت تھی۔ باپ تشویش میں مبتلا ہو کر فوراً بچی کے پاس آیا۔ عام طور پر بچے دنیا میں وارد ہوتے ہی روتے ہیں۔ یا خاموش ہوں تو ہاتھ پاؤں ضرور ہلاتے ہیں۔ مرزا نے قریب پہنچ کر دیکھا۔ وہ سانسیں لے رہی تھی۔ مگر بالکل ساکت تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ آسمان کو تک رہی تھی۔ ایک ہاتھ سر کی طرف ایسے تھا۔ جیسے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی ہو۔ زمین اور آسمان والے سے پوچھ رہی ہو۔ ”مجھے عالم ارواح سے لا کر یہ کہاں پھینک دیا ہے؟“

وہ نوزائیدہ تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں اور چہرے سے گہری سنجیدگی اور ذہانت جھلک رہی تھی۔ باپ نے اسے اٹھا کر ایک کپڑے سے پونچھتے ہوئے کہا۔ ”عصمت! بیٹی ہوئی ہے۔ بڑی چُپ ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ سانسیں چل رہی ہیں۔ پتہ نہیں ایسی چپ کیوں ہے۔ خدا کی قسم...! میں نے آج تک ایسا نوزائیدہ بچہ نہیں دیکھا۔ جو پیدائش کے پہلے لمحے سے ہی انتہائی سنجیدہ اور ذہین دکھائی دیتا ہو۔ خدا جانے ہماری یہ بچی کیا ہے؟ ہم کہیں آبادی میں پہنچنے کے بعد کسی نجومی سے معلوم کریں گے۔“

عصمت النساء حوصلے سے خود کو سنبھال رہی تھی۔ رو رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی۔ ”خداوند کریم نے اس بیابان میں اولاد دی ہے۔ ہم اسے کہاں لے جائیں؟ کس طرح آگے بڑھیں؟ میں فوراً ہی چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔“

مرزا غیاث نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آفتاب مغرب کی طرف جا رہا تھا۔ دن کا تیسرا پہر ختم ہونے کو تھا۔ دو گھڑی بعد رات کے سائے پھیلنے والے تھے۔ اس دور میں تقریباً ایک گھنٹے کی مدت کو دو گھڑی کہا جاتا تھا۔ گویا ایک گھنٹے بعد رات کی تاریکی مسلط ہونے والی تھی۔ بدترین حالات نے ویسے ہی اندھیر مچا رکھا تھا۔ اوپر سے اندھیرا چاروں طرف کی دنیا کو بجھانے والا تھا۔

اس نے پریشان ہو کر مصیبت کی ماری بیوی اور معصوم بچوں کو دیکھا پھر کہا۔ ”تم آگے

نہیں چل سکو گی۔ اس جنگل بیابان میں ہم رات کیسے گزاریں گے؟ ایک ہی مشعل ہے۔ اور ایک ہی تلوار ہے۔ یہاں خونخوار درندے ضرور ہوں گے۔ پھر پہاڑی علاقے میں سانپ بچھو بھی ضرور ہوں گے۔ ہم بچوں کو زمین پر کیسے سلائیں گے؟“

جب وہ خراساں سے چلا تو دونوں تک یہی ہوتا رہا کہ رات ہونے سے پہلے وہ کسی آبادی میں پہنچ کر تحفظ حاصل کرتے تھے۔ رات گزارتے تھے۔ پھر دوسری صبح روانہ ہو جاتے تھے۔ اس روز وہ رات ہونے سے پہلے کسی آبادی میں نہ پہنچ سکے۔ یہ بھی قدرت کی طرف سے ایک آزمائش تھی۔ وہ اب تک دن کو مصائب سے گزرتے آ رہے تھے۔ اب رات کی تاریکی دھمکیاں دے رہی تھی کہ ان کے اور بچوں کے ساتھ ضرور کچھ ہونے والا ہے۔

نوزائیدہ بچی کو شہد چٹایا گیا تھا۔ باقی تین بچوں نے پیٹ بھر کر کھایا تھا۔ لیکن وہ سہمے ہوئے سے ادھر ادھر دور تک دیکھ رہے تھے۔ گرد وغبار سے اٹے ہوئے معصوم چہروں کو دیکھ کر ماں باپ کے دلوں پر اَن دیکھی سی ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔ پتہ نہیں کب تک ان کی بدبختی انہیں ٹھکراتی رہنے والی تھی؟

عصمت النساء نے نوزائیدہ بچی کو دونوں ہتھیلیوں پر اٹھا کر آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے روتے ہوئے کہا۔ ”یا میرے خدا...! اب برداشت نہیں ہوتا۔ بہت ہو چکا... اس سے پہلے کہ ہمارے بچوں کو کچھ ہو جائے تو ہمیں اس دنیا سے اٹھا لے۔ ہم انہیں سانپ بچھوؤں اور درندوں کی خوراک بنتے نہیں دیکھ سکیں گے... میرے معبود! یہ میری آخری دعا ہے، میرے بچوں کو سلامتی دے۔ اس کے بعد تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔“

وہ چپ ہو گئی رونے لگی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر وہ سب چونک کر سننے لگے۔ دور کہیں سے صدائے جرس سنائی دے رہی تھی۔ انہوں نے سر گھما کر دور آواز کی سمت دیکھا۔ جب قافلے دور دراز کے علاقوں تک سفر کرتے ہیں تو ان کے اونٹوں کے گلے میں گھنٹیاں بندھی ہوتی ہیں۔ جو دور سے سنائی دیتی ہیں۔

وہ سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ جہاں تک نظر دیکھ سکتی ہے، وہاں انسان اور جانور دھندلے سے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک قطار میں چلے آ رہے تھے۔ کوئی قافلہ تھا۔ گویا غیبی مدد تھی۔ آسمان سے اتر کر چلی آ رہی تھی۔ ایک ماں نے بچی کو دونوں ہتھیلیوں پر آسمان کی طرف اٹھا کر دعا مانگی تھی۔ اور دعا نے شرف قبولیت حاصل کی تھی۔

وہ فرطِ مسرت سے نومولود کو چومتے ہوئے بولی۔"میری بچی خوش بخت ہے۔اس کے آتے ہی مصائب و آلام کے اور موت کے سائے چھٹ گئے ہیں۔ہمیں نئی زندگی ملنے والی ہے۔"

بے شک وہ بچی خوش بخت تھی۔ایک ملک سے دوسرے ملک تجارت کرنے والے ایک بہت بڑے تاجر خواجہ مسعود کا وہ قافلہ تھا۔اس نے مرزا غیاث اور اس کی بیوی کو معصوم بچوں کے ساتھ اس بیابان میں یکا و تنہا دیکھا تو اس کا دل ہمدردی سے بھر آیا۔اور جب ان کی مصائب سے بھری رو داد سنی تو مرزا غیاث کو گلے لگا کر کہا۔"فکر نہ کرو۔ہم ہندوستان جا رہے ہیں۔تمہارے جیسا عالم فاضل اور دربار شاہی کے معاملات کو سمجھنے والا دربدر نہیں بھٹکے گا۔بے روزگار نہیں رہے گا۔ہم تمہیں شہنشاہ جلال الدین اکبر کے دربار میں ضرور پہنچائیں گے۔"

عصمت نے یہ سنا تو پھر اپنی بچی کو چوم کر دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا لیا۔اب کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں تھی۔کہ وہ بچی خوش بخت ہے۔اس وقت اس کے ماں باپ یہ کبھی سمجھ نہیں سکتے تھے کہ اس کی خوش بختی کی انتہا کیا ہے؟ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ بالشت بھر کی بچی مستقبل بعید میں شہنشاہ جہانگیر کی نور جہاں کہلائے گی۔جہانگیر تخت پر بیٹھ کر حکومت کرے گا اور وہ اس کی پشت پر رہ کر پورے ہندوستان میں اپنے نام کا سکہ جاری کرائے گی۔

ایک جنگل بیابان میں کسمپرسی کی حالت میں پیدا ہونے والی وہ مغلیہ سلطنت کی بے تاج ملکہ نور جہاں آفت جہاں تھی۔

☆☆☆☆☆

وہ خوش قدم تھی۔ماں باپ کے دن پھر گئے۔مرزا غیاث کو دربار اکبری میں ایک اعلیٰ عہدہ نصیب ہو گیا۔محل کے اندر شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے کتنے ہی بچے تھے۔ان کی دینی اور اخلاقی تعلیم کے لئے عصمت النساء کو اتالیق مقرر کیا گیا۔ماں باپ نے اپنی اس بچی کا نام مہر النساء رکھا۔وہ ہمیشہ ماں سے لگی رہتی تھی۔اس کے ساتھ محل کے اندر زیادہ سے زیادہ وقت گزارتی تھی۔اور دوسرے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر تعلیم بھی حاصل کرتی رہتی تھی۔اس طرح وہ بچپن سے ہی شاہی آداب اور شاہی طور طریقوں کو سمجھتی رہی۔وہ اتنی ذہین تھی کہ محل کے اندر ہونے والے چھوٹے بڑے واقعات کو توجہ سے دیکھتی اور سمجھتی تھی۔پھر ان کا تجزیہ کرنے کے لئے ماں سے طرح طرح کے سوالات کرتی تھی۔

وہ عصمت النساء سے پوچھتی تھی۔"مادر! یہ بادشاہ سلامت کی بیگمات بڑے عیش و

آرام سے رہتی ہیں۔پھر ایک دوسرے کو نیچا کیوں دکھانا چاہتی ہیں؟"

عصمت النساء جواب دیتی تھی۔"یہ ازل سے سوکنوں کی فطرت ہے۔جس طرح ایک بادشاہ اپنی سلطنت میں دوسرے بادشاہ کا وجود برداشت نہیں کرتا۔اسی طرح ایک سوکن محل کی چار دیواری میں دوسری سوکن کی برتری برداشت نہیں کرتی۔"

مہر النساء نے پوچھا۔"یعنی بیگم اپنے بادشاہ سے جھوٹ بول سکتی ہے؟ اپنی سوکنوں کو اس کی نظروں سے گرا کر اس کی آنکھوں کا تارہ بن سکتی ہے؟ ہمیں تو سچ بولنا سکھایا جاتا ہے۔پھر وہ جھوٹ کیوں بولتی ہیں؟"

ماں نے کہا۔"ہم جیسے عام انسانوں کی اور بیگمات وسلاطین کی زندگیوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ہم کسی معاملے میں مالک ومختار نہیں ہیں۔ہمارے پاس صرف دین وایمان کی قوت ہے۔ہم سچ بول کر ایک شریف اور پرامن شہری کہلا سکتے ہیں۔لیکن ایک بیگم صرف اپنی محبت سے اور حسن وسلوک سے بادشاہ کا دل نہیں جیت سکتی۔اسے دوسری سوکنوں پر حاوی ہونے کے لئے اپنے بادشاہ سے جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔جسے وہ دل وجان سے چاہتی ہے' اُسے دھوکہ دینا پڑتا ہے"

مہر النساء کے کچے ذہن میں منافقت، مصلحت پسندی، محبت اور وفاداری سب ہی گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔جیسے جیسے عمر کی منزلیں طے کر رہی تھی۔اور تاریخ کا مطالعہ کر رہی تھی' یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ بادشاہ کا دل جیتنا ہو یا مُلک فتح کرنا ہو، اس کے لئے سیاسی حکمت عملی بہت ہی اہم اور لازمی ہے۔

وہ پڑھتی بھی تھی اور دیکھتی بھی تھی کہ راجے مہاراجے شہنشاہ جلال الدین اکبر کے خلاف فوج کشی کرتے ہیں۔اور پھر شکست کھانے کے بعد حالات سے سمجھوتہ کرنے کے لئے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو بادشاہ اور شہزادوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔اس طرح وہ بادشاہ اکبر سے امان پا کر پہلے کی طرح راجے مہاراجے کہلانے لگتے ہیں۔

مہر النساء تعلیمی مراحل سر کر رہی تھی۔اور محلاتی سازشوں کا مشاہدہ بھی کرتی رہتی تھی۔وہ بہت ہی خوش الحان تھی۔جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتی تو اس کی سریلی آواز سننے والوں پر سحر طاری کر دیتی تھی۔اس نے بہت ہی کم عمری میں گلستاں' بوستاں' اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔فارسی اس کی مادری زبان تھی۔وہ عربی بھی روانی سے بولتی تھی، اس نے ہندی اور سنسکرت بھاشا میں بھی شد بد حاصل کی تھی۔

صرف اتنا ہی نہیں وہ فطرتاً جنگجو تھی۔ باپ اور بھائی سے نیزہ بازی، تیر اندازی، اور شہسواری کے فنون سیکھتی رہتی تھی۔ تلوار بازی میں ایسی مہارت حاصل کی تھی کہ حوض میں مچھلی ڈال کر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیتی تھی۔ بندوق کا نشانہ کبھی چوکتا نہیں تھا۔

باپ نے پیدا ہوتے ہی اسے دیکھا تھا۔ اس کے منہ سے رونے کی آواز نہیں نکلی تھی۔ یعنی اس میں یہ پیدائشی خاصیت تھی کہ وہ کسی بھی حال میں رونا نہیں جانتی تھی۔ باپ نے دیکھا تھا کہ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ سوچنے کے انداز میں آسمان کی طرف تک رہی تھی۔ جیسے اپنے ماں باپ کے بدترین حالات پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہو۔ یہ معجزہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن بعد میں وقت اور حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ نور جہاں رونا نہیں، دوسروں کو رُلانا جانتی تھی اور ان کے آنسو پونچھنا بھی جانتی تھی۔ نہایت سنجیدگی اور فہم و فراست سے بدترین حالات پر قابو پا لیا کرتی تھی۔

جب اس نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ایک روز خواتین کے مینا بازار میں شہزادہ سلیم (جہانگیر) سے سامنا ہو گیا۔ شہزادہ اسے دیکھتے ہی دم بخود رہ گیا۔ حسن و جمال کا ایسا خوبصورت مجسمہ جیسے سنگ مرمر سے تراشا گیا ہو۔ وہ سانسیں لے رہی تھی۔ ورنہ وہ پوچھتا پھرتا۔ کہ کس سنگ تراش نے اسے تراشا ہے؟

ولی عہد کا سامنا ہوتے ہی وہ جھجکنے اور شرمانے لگی۔ پھولوں کے کنج میں تھی۔ وہاں سے کترا کر جانے کا راستہ نہیں تھا۔ اس لیے کبھی باریک ریشمی آنچل سے منہ چھپا رہی تھی، کبھی سمٹ رہی تھی۔ کبھی بل کھا رہی تھی۔ سانسوں کی اٹھان پر ہاتھوں کی قینچی بنا رہی تھی۔ خاموش اداؤں سے جتلا رہی تھی کہ یہ علاقہ ممنوعہ ہے۔

یہ مشہور واقعہ ہے کہ شہزادے نے اسے دو کبوتر دیئے تھے۔ اور کہا تھا۔ "یہ ہماری امانت ہیں۔ ہم ابھی آ کر انہیں واپس لیں گے۔"

وہ تھوڑی دیر کے لئے چلا گیا تھا۔ جب واپس آیا تو مہرالنساء کے ہاتھوں میں ایک ہی کبوتر تھا۔ شہزادے نے پوچھا۔ "دوسرا کبوتر کہاں ہے؟"

اس نے کہا۔ "اڑ گیا..."

شہزادے نے پوچھا۔ "کیسے اڑ گیا؟"

مہرالنساء نے دوسرے کبوتر کو اڑاتے ہوئے کہا۔ "یوں...."

وہ ایسی معصوم اور دلکش ادا تھی کہ شہزادہ دل ہی دل میں لوٹ پوٹ کر رہ گیا۔ اس نے کہا۔ "تم صرف حسین اور دل نشین ہی نہیں ہو۔ ہوش اڑانا بھی جانتی ہو۔ ہمارے تو ہوش اڑ چکے ہیں۔ اب ہم دنیا کے نظارے کیا کریں گے؟ ہماری نظر کے سامنے تم ہی تم رہا کرو گی۔ کیا تم جانتی ہو کہ ہم کون ہیں؟"

وہ نظریں جھکا کر بولی۔ "صاحب عالم کو کون نہیں جانتا؟ ہم نے ولیعہد کو بارہا محل کے مکتب خانے کے قریب سے گزرتے دیکھا ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا تم محل میں رہتی ہو؟ کون ہو تم؟ کیا نام ہے تمہارا؟"

"بندی کو مہرالنساء کہتے ہیں۔ ہم بنت مرزا غیاث الدین دیوان بیوتات ہیں۔ ہماری والدہ محل میں بچوں اور خواتین کی اتالیق ہیں۔"

"تعجب ہے۔ آج سے پہلے کبھی تم پر نظر نہیں پڑی۔ آج کے بعد یہ آنکھیں تمہیں ہی دیکھنا چاہیں گی۔ یہ دل تمہارے لئے ہی دھڑکتا رہے گا۔ اور ہمارا رت جگا کروٹ کروٹ تمہیں ہی مانگتا رہے گا۔"

وہ بڑی بے باکی سے اپنی چاہت کا اظہار کر رہا تھا۔ اور پہلی ہی ملاقات میں اسے طلب کر رہا تھا۔ وہ مارے شرم کے سمٹتی جا رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیسے اپنے آپ کو چھپا لے؟ اس نے التجا کی۔ "خدارا! ہمیں جانے دیں۔ بدنامی سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

'ہمارے نام سے تمہیں بدنامی نہیں۔ نیک نامی ملے گی۔"

"اس مینا بازار میں ابھی تو ہم بدنام ہو جائیں گے۔ خدارا! ہمیں جانے دیں۔"

وہ ایک طرف ہٹ کر بولا۔ "جاؤ! اور یہ یاد رکھو کہ تم ہمارے لئے اس دنیا میں آئی ہو۔ اور جلد ہی ہماری خلوت میں آنے والی ہو۔"

مہرالنساء کی دھڑکنیں پاگل ہو رہی تھیں۔ وہ خود کو سنبھالتی ہوئی شہزادے سے کتراتی ہوئی محل کے مہمان خانے کی سمت جانے لگی۔ زندگی میں پہلی بار ایک نامحرم سے سامنا ہوا تھا۔ اور وہ نامحرم کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ شہزادہ تھا۔ تاج و تخت کا جانشین تھا۔ یہی سوچ سوچ کر پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ ہواؤں میں اڑتی چلی جا رہی تھی۔

وہ تو بچپن ہی سے محل میں رہ کر اعلیٰ مرتبت بیگمات کی شان و شوکت دیکھتی آئی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ بات پکی رہی تھی کہ صرف سوچنے اور خواب دیکھنے سے کبھی اعلیٰ مرتبہ حاصل نہیں

ہوتا۔اس کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور اسی لئے وہ علم وہنر حاصل کرتی رہی تھی۔علم وادب میں شعروشاعری میں اور فنونِ سپہ گری میں اس نے کمال حاصل کیا تھا۔ان پہلوؤں سے وہ شاہی خاندان کی بیگمات کے مقابلے میں برتر تھی۔

وہ ماضی کے مغل بادشاہ کے طور طریقوں کا بھی مطالعہ کرتی رہی تھی۔موجودہ بادشاہ جلال الدین اکبر کو بھی خوب دیکھ رہی تھی، سمجھ رہی تھی۔اور شہزادوں کی رنگین مزاجیوں سے بھی واقف تھی۔محل کے اندر اور باہر سیاسی جوڑ توڑ کو بڑی ذہانت سے سمجھتی تھی۔اور انہیں اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتی تھی۔

اب اس کی زندگی میں جوڑ توڑ کا موقع آرہا تھا۔محل کے ماحول نے سمجھا دیا تھا کہ جو سنہری مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے وہ ہمیشہ پیچھے رہ جاتے ہیں اور وہ پیچھے رہ جانے والیوں میں سے نہیں تھی۔آگے اور آگے کی منزلوں کو سر کرنا اس کی فطرت تھی۔

وہ بڑی دوراندیشی سے سوچ رہی تھی کہ مجھے آج سے بہلنا نہیں چاہئے،آج میری زندگی میں آیا ہے۔وہ کل سے اپنا دل بہلانے آئے گا۔مجھے انعام واکرام سے نوازے گا۔لیکن میں ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگنے کے انداز میں کچھ لینا نہیں چاہتی۔میں دینے والا ہاتھ رکھنا چاہتی ہوں۔ایسا مضبوط ہاتھ کہ مستقبل کا شہنشاہ بھی میرے بغیر زندگی نہ گزار سکے۔اور میں بڑی محبت اور فراخ دلی سے اسے زندگی کی ایک ایک سانس دیتی رہوں۔یہاں رہ کر میں نے یہی سیکھا ہے کہ عورت محبت اور وفاداری سے صرف دل جیت سکتی ہے۔لیکن ذہانت اور چالبازی سے بادشاہ کا تاج پہن سکتی ہے۔اور اس کے تخت پر بیٹھ سکتی ہے۔

ذہانت میں پختگی آئے تو بندہ چالاک بن جاتا ہے۔اور اسی ذہانت میں شیطانیت آجائے تو وہ مکار کہلانے لگتا ہے۔مہرالنساء مکار نہیں تھی۔اپنے مستقبل کو شاندار بنانے کے لئے جس ذہانت بھری چالاکی کی ضرورت ہوتی ہے،وہ اس میں بدرجہ اتم موجود تھی۔جب مرد ہیرا پھیری سے اور سیاسی چالبازیوں سے اقتدار حاصل کر سکتا ہے۔تو عورت بھی ایسا کر سکتی ہے۔مورخوں نے کہیں اسے ذہین لکھا ہے۔اور کہیں مکار.....حقیقتاً وہ ذہین اور معاملہ فہم تھی۔

شاہی محل کا ایک حصہ شہزادہ سلیم کی رہائش کے لئے وقف تھا۔اس حصے کے زنان خانے میں شہزادے کی منکوحہ ہندو رانیاں اور کنیزیں رہا کرتی تھیں۔دوسرے حصے میں شہزادہ تنہا رہتا تھا۔وہاں اپنے باباجانی جلال الدین اکبر کے اہم عہدیداروں اور مشیروں سے ملتا تھا اور رات

کو شراب وشباب کی محفلیں گرم رکھتا تھا۔دوسرے دن شام کو ایک حسینہ مہرالنساء کے پاس آئی۔پھر بولی۔"میں ولی عہد صاحب عالم کی خاص کنیز ہوں۔ان کا پیغام لائی ہوں۔صاحب عالم آپ سے ملاقات کے متمنی ہیں۔"

مہرالنساء کا دل کچھ خوشی سے کچھ خوف سے دھڑکنے لگا۔وہ جانتی تھی کہ ایسا ہونے والا ہے۔کنیز نے کہا۔"رات کے پہلے پہر اس مہمان خانے سے صاحب عالم کی رہائش گاہ تک سناٹا اور ویرانی رہے گی۔کسی کو ادھر آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔جو راز دار خواجہ سرا اور اُردابیگنیاں ہیں وہی پہرہ دیتی رہیں گی۔کوئی آپ کو جاتے اور واپس آتے نہیں دیکھے گا۔میں رات کے پچھلے پہر آپ کو لینے آؤں گی۔"

یہ کہنے کے بعد وہ کوئی جواب سنے بغیر واپس چلی گئی۔شہزادے کا حکم تھا انکار کی جرات نہیں ہوسکتی تھی۔اس لیے اِدھر سے کوئی جواب دیا جاسکتا تھا،نہ اُدھر سے کچھ سنا جاسکتا تھا۔رات کا اندھیرا پھیلتے ہی محل کے باہر چراغ اور اندر فانوس روشن کئے جاتے تھے۔اس رات صرف اس حصے کو تاریک رکھا گیا،جہاں سے مہرالنساء کو گزرنا تھا اور اس نے دیکھا کہ واقعی رازداری برتی گئی ہے۔صرف چند اردابیگنیاں کہیں کہیں نظر آئیں۔ورنہ دور تک تاریکی تھی۔وہ کنیز ہاتھ میں شمع دان اٹھائے۔اس کے آگے آگے چل رہی تھی۔

مہرالنساء یہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے ایک عام کنیز کی طرح طلب کیا جائے اور اس کی مرضی کے بغیر اسے حاصل کیا جائے۔اس نے اپنی بہتری کے لئے کچھ تدبیریں سوچ رکھی تھیں اور آئندہ ان پر عمل کرنے والی تھی۔

محل کے اندر زنان خانے میں چہل پہل ہوگی لیکن وہ جہاں سے گزر رہی تھی،وہاں سناٹا تھا۔صرف چند خواجہ سرا دست بستہ دکھائی دے رہے تھے۔وہ کنیز کے ساتھ اس محل سے گزرتی ہوئی ایک ہرے بھرے باغیچے میں آگئی۔

اس کی آمد پر وہاں چراغاں کیا گیا تھا۔کئی فواروں سے صاف وشفاف پانی بلندی کے طرف اچھلتا جارہا تھا اور دور تک چھینٹے اُڑاتا جارہا تھا۔دو فواروں کے درمیان شہزادہ سلیم شاہانہ طرز کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا،اس کے سامنے شراب وکباب کا مکمل انتظام کیا گیا تھا۔وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔اسے نظر بھر کر دیکھتے ہوئے بولا۔"خوش آمدید...!ماشاءاللہ...!جیسا حسین سراپا ہے۔ویسا ہی خوبصورت پیراہن ہے۔تم نے بہت عمدہ لباس زیب تن کیا ہے۔دیکھتے ہی دل

باغ باغ ہو رہا ہے۔"

اس نے کنیز کی طرف دیکھا۔ وہ سر جھکا کر وہاں سے چلی گئی۔ پھر اس نے دور کھڑے ہوئے خواجہ سرا سے کہا۔ "چاند زمین پر اتر آیا ہے۔ چراغ مدھم پڑ گئے ہیں۔ انہیں بجھا دیا جائے۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ خواجہ سرا نے ایک ایک کر کے دور تک روشن رہنے والے چراغوں کو بجھا دیا۔ پھر وہاں سے چلا گیا۔ چراغ بجھ گئے مگر ایک چاند آسمان پر بھی تھا۔ مہرالنساء یوں لگ رہی تھی۔ جیسے چاندنی زمین پر آکر مجسم ہو گئی ہو۔ اس کے روپ میں ڈھل گئی ہو۔

شہزادے نے کہا۔ "آؤ... ہمارے پاس بیٹھو۔ ہم تمہارے حسین ہاتھوں سے جام نوش کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ سر جھکا کر دست بستہ ہو کر بولی۔ "صاحب عالم سے ایک عرض ہے۔"

"خلوت میں عرض نہ کرو۔ تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر بولو۔"

وہ بولی۔ "ہم آپ کا پیالہ بھرنے سے پہلے کچھ مانگنا چاہتے ہیں۔"

"جو مانگو گی وہ ملے گا۔"

"ہم آپ کی امانت ہیں۔ یہ امانت آپ کے حوالے کرنے سے پہلے ایک عورت کی عزت نفس اور اس کا جائز مقام چاہتے ہیں۔"

"ہم کچھ سمجھے نہیں؟ وضاحت کرو۔"

"صاحب عالم نے ہمیں ایک لونڈی سمجھ کر طلب کیا ہے۔ اور یہ ہماری توہین ہے۔"

وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔ "خدا گواہ ہے ہم نے تمہیں محبت سے یاد کیا ہے۔ ہمارے حرم کی کوئی کنیز تو کیا کوئی بیگم کوئی رانی بھی تمہارے پاؤں کی دھول نہیں ہے۔ کل تمہیں کیا دیکھا۔ ہماری رات کی نیند اڑ گئی۔ ہماری بھوک مر گئی۔ امور سلطنت کے کسی معاملے میں دل نہیں لگ رہا ہے۔ دل چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ ہمیں عشق ہو گیا ہے۔ ہمیں تمہاری ہوس نہیں ہے۔ ہوس پوری کرنے کے لئے ہمارے آگے حسن و شباب کا میلا لگا رہتا ہے۔ ہمیں تو تمہاری ضرورت ہے۔ ایسی ضرورت جو زندگی کی آخری سانسوں تک قائم رہتی ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "آپ کے ان الفاظ نے ثابت کر دیا ہے کہ واقعی آپ ہم سے عشق فرما رہے ہیں۔ ہم سے سچی محبت کرنے لگے ہیں۔"

وہ وہاں سے چلتی ہوئی شراب سے بھری ہوئی صراحی اور چاندی کے پیالے کے پاس

آئی۔ پھر پیالے کو بھرتے ہوئے بولی۔ "صاحب عالم! ہمیں منکوحہ سے پہلے معشوق بنا چکے ہیں۔ آج سے ہم معشوق بھی ہیں، ساقی بھی ہیں، اور شراب دو آتشہ بھی.... یہ وعدہ رہا کہ ہم محبت کی شراب اتنی پلائیں گے کہ کبھی ہوش میں نہیں آنے دیں گے۔"

وہ ہیرے جواہرات سے مرصع مخملی تخت پر بیٹھ گیا۔ مہرالنساء دونوں ہاتھوں میں چاندی کا پیالہ اٹھائے۔ سامنے آکر رک گئی۔ یوں تھم گئی کہ کمر خم کھا گئی۔ کولہے ہائے کہتے ہوئے ابھر آئے۔ بدن کا لوچ شاعر کی سوچ بن گیا۔ اعضا کی مورتی اپنی تمام تر سندرتا کے ساتھ اجاگر ہو گئی۔

وہ سحر زدہ ہو رہا تھا۔ مہرالنساء نے پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ اس نے ایک گھونٹ پیا... اور پینا چاہتا تھا۔ لیکن مہرالنساء نے پیالہ کھینچ کر اسے کولہے کے ابھار پر رکھ لیا۔ جیسے پنگھٹ پر رادھیکا نے گگری اٹھا کر کمر پر دھر لی ہو۔ گگری چھلک گئی ہو۔ پیالہ بھی چھلک گیا وہ بھی لبالب تھی، مگر آسانی سے چھلکنے والی نہیں تھی۔

شہزادے نے کہا۔ "انداز بہت خوب ہے۔ ایک گھونٹ پلا کر پیالہ ہٹا لیا۔ کیا تمہیں ترسانا اچھا لگتا ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "ٹھہر ٹھہر کر پینے کا اور ترس ترس کر منہ لگانے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ مجھے آپ یاد رکھیں گے، میرا انداز ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

اس کی آواز رس بھری تھی، وہ بولتی تو یوں لگتا سات سروں میں رچ بس کر بول رہی ہو۔ وہ قریب ہو کر پلاتی تھی اور قربت کے باوجود دسترس سے دور رہتی تھی۔ انداز ایسا تھا کہ بے اختیار اسے چھو لینے کو پکڑ لینے کو جکڑ لینے کو جی چاہتا تھا۔ اس کی ادائیں کہتی تھیں۔ "ابھی آئی... بس ابھی آئی..."

اس نے ابھی اور ابھی سے بہلاتے بہلاتے اتنی پلا دی کہ وہ ڈگمگانے لگا۔ اسے چھونے کا موقع ملا تو یوں لگا جیسے سنگ مرمر پر پھسل رہا ہو۔ پھسلنے والے کسی قابل نہیں رہتے۔ وہ بھی مدہوش ہو کر چاروں شانے چت ہو گیا۔ ہلاکو ہو... چنگیز خاں ہو... دنیا کا کوئی بھی شہزور ہو، وصال کے لمحوں میں عورت سب ہی کو چاروں شانے چت کر دیتی ہے۔

وہاں ساری رات گزارنے کی نوبت نہیں آئی۔ رات کے دوسرے پہر ہی شہزادہ اتنا غفیل ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

وہ مہمان خانے میں واپس آ گئی۔ اپنے موجودہ حالات پر سنجیدگی سے غور کرنے لگی۔ یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ ہر رات اپنا دامن نہیں بچا سکے گی۔ شہزادہ مہذب ہے۔ لیکن دو چار کٹورے پینے کے بعد بہکنے لگتا ہے اور وہ نکاح کے بغیر اس کے تصرف میں نہیں آنا چاہتی تھی۔

اس نے پہلے ہی بڑی دور تک منصوبے بنائے تھے۔ یہ سوچ رکھا تھا کہ ان حالات میں کیا کرنا ہوگا؟ وہ محل میں اپنی والدہ عصمت النساء کے ساتھ رہتی تھی۔ وہاں ان کی خدمت کے لئے ایک خادمہ کو رکھا گیا تھا۔ مہرالنساء نے اسے اپنا رازدار بنا کر پوچھا۔ ''کیا تم ہمارا ایک کام کر سکو گی؟''

وہ بولی۔ ''آپ حکم دیں۔ ضرور کروں گی۔''

مہرالنساء نے اس کی ہتھیلی پر دس اشرفیاں رکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم چاہتے ہیں ہمارے اور شہزادے کے عشق کا چرچا مہابلی کے کانوں تک پہنچ جائے۔''

خادمہ نے اسے بڑے تعجب سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ خود ہی بدنامی مول لینا چاہتی ہیں؟''

''ہاں۔ ہم خوب سوچ سمجھ کر ایسا کہہ رہے ہیں۔ محل کی جو بیگمات شہزادے سے حسد کرتی ہیں، تم ان کے کانوں میں یہ بات پھونک دو۔ پھر ہمارا معاملہ خود ہی مہابلی تک پہنچ جائے گا۔''

عورتوں کو تو لگائی بجھائی کے لئے کوئی بات مل جائے۔ پھر وہ بات شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہوتی ہوئی کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ مہرالنساء نے شہزادے کے متعلق بڑی معلومات حاصل کی تھیں۔ بڑا ہی رنگین مزاج اور عیاش تھا۔ محل کی بیگمات کے علاوہ بے شمار کنیزیں تھیں۔ پھر نوخیز سبزہ خط جوانوں سے بھی دل بہلاتا تھا۔ اگر وہ عیاش عاشق بن گیا تھا تو یہ محض فریب بھی ہو سکتا تھا۔ اس کی عاشقی عارضی ہو سکتی تھی۔ مہرالنساء یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ مطلب براری کے بعد اس سے منہ پھیر لے۔

اس کی عقل نے یہی سمجھایا کہ یہ بات بادشاہ وقت تک پہنچنی چاہئے۔ مہابلی جلال الدین اکبر اگرچہ ان دنوں دین اسلام سے پھر گیا تھا۔ تاہم اپنے محل میں خاص طور پر حرم سرا میں شادی کے بغیر گناہ کی اجازت نہیں دیتا تھا اور مہرالنساء کی بس یہی آرزو تھی کہ ایک بار شہزادے سے نکاح ہو جائے۔ پھر اسے اپنا اور صرف اپنا بنائے رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہے گی۔

حیات انسانی میں تقدیر اور تدبیر کا تصادم ہوتا رہتا ہے۔ اکثر تقدیر حاوی رہتی

ہے۔ کبھی کبھی تدبیر غالب آ جاتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں کے تصادم سے کچھ اور ہی حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔

جلال الدین اکبر اگرچہ امور سلطنت میں اور دین الٰہی کے معاملات میں بہت الجھا رہتا تھا۔ اس کے باوجود مہرالنساء کا نام اس کے ذہن میں محفوظ رہتا تھا۔ اس نے پہلے تو اپنی کئی بیگمات سے مہرالنساء کی تعریفیں سنی تھیں۔ پھر ایک روز خود اس سے کلام پاک کی تلاوت سنی تھی۔ اس نے ایسی دل میں اتر جانے والی قراءۃ کے ساتھ تلاوت کی تھی اور اس کے کئی سوالات کے جواب اتنی ذہانت سے دیئے تھے کہ وہ اس سے متاثر ہو گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے ماتحت رہنے والے کسی اعلیٰ عہدیدار سے مہرالنساء کی شادی ہو جائے اور وہ عزت آبرو اور عیش و آرام سے زندگی گزارے۔ بنگال کا صوبیدار علی قلی خاں اس کا وفادار اور جاں نثار تھا۔ اس کی دلیری اور شجاعت کے پیش نظر بادشاہ نے اسے شیر افگن کا خطاب دیا تھا۔ انعام و اکرام کے طور پر بہت کچھ دینے کے علاوہ مہرالنساء کو اس کی زوجیت میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے بعد یہ خبر ملی کہ شہزادہ اس شریف زادی پر اپنے نام کی مہر لگا رہا ہے۔

اس نے شہزادے کو طلب کیا۔ پھر بڑی محبت سے پوچھا۔ ''شیخو بابا! یہ ہم کیا سن رہے ہیں، تم نے پچھلی رات مرزا غیاث کی صاحبزادی کو اپنی خلوت میں طلب کیا تھا؟''

شہزادے نے جواباً خاموشی سے سر جھکا لیا۔ جلال الدین اکبر اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم جانتے ہو ہم تمہیں تمام شہزادوں سے افضل اور برتر رکھتے ہیں۔ تمہیں تخت و تاج کا جانشین بنایا ہے۔ اپنی حکومت میں تمہیں سب سے زیادہ اختیارات دیئے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ایک شریف خاندان کی اور ہمارے اعلیٰ عہدیدار کی صاحبزادی کو یوں خلوت میں طلب کرو۔''

شہزادے نے کہا۔ ''بابا جانی! ہم اس کے لئے نیک ارادہ رکھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں اس سے محبت ہو گئی ہے۔ زندگی میں پہلی بار معلوم ہو رہا ہے کہ عشق کیا ہوتا ہے؟ نیند کیسے اڑتی ہے؟ بھوک کیسے مٹ جاتی ہے؟ جب وہ سامنے نہیں ہوتی تب بھی ہر لحظہ دکھائی دیتی رہتی ہے۔''

''ہم تیموری جنگجو حکمراں ہیں۔ چنگیزی تورا کے قوانین پر عمل کرتے ہیں۔ ہم تلوار چلاتے ہیں۔ قلم پکڑنے والے شاعروں کی طرح عشق و محبت نہیں کرتے۔ جسے پسند کر لیتے ہیں، اسے حرم میں لے آتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے تمہاری پسند سے پہلے مہرالنساء کو علی قلی

خاں شیر افگن سے منسوب کر دیا ہے۔"

اس نے اعتراض کرنا چاہا۔ "لیکن بابا جانی...!"

بادشاہ اکبر نے ہاتھ اٹھا کر اسے آگے کہنے سے روکتے ہوئے کہا۔ "شیخو بابا! ہمیں صرف باپ سمجھ کر بحث نہ کرنا ہم بادشاہ وقت ہیں۔ ہمارا حکم پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ ہم تمہاری خاطر پتھر کی لکیر بدل سکتے ہیں۔ لیکن اپنی زبان سے نہیں پھر سکتے۔ ہم اس کا رشتہ طے کر چکے ہیں۔ وہ پرائی ہو چکی ہے۔ آئندہ اسے اپنی خلوت میں طلب نہ کرنا۔"

شہزادہ بحث نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سر تسلیم خم کیا۔ لیکن بلا کا ضدی تھا۔ رگوں میں چنگیزی خون دوڑ رہا تھا۔ پھر عشق کے شعلے ایسے بھڑک رہے تھے کہ انہیں ایک بار ہی سہی سرد کرنا چاہتا تھا۔

اس نے دوسری رات پھر مہر النساء کو راز داری سے طلب کیا۔ یہ دیکھ چکا تھا کہ پچھلی دفعہ راز داری کام نہیں آئی تھی۔ جو مخبر اور چغل خور تھے' وہ شہزادوں کی ایک ایک بات بادشاہ تک پہنچا دیا کرتے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی دوسری چور ملاقات بھی بابا جانی سے چھپی نہیں رہے گی۔ اس کے باوجود وہ بادشاہ وقت کے حکم کے خلاف ایک لاڈلے اور ضدی بیٹے کی حیثیت سے خاموش احتجاج کرنا چاہتا تھا۔

مہر النساء یہ سن کر پریشان ہو گئی کہ شہزادے نے اسے دوسری رات بھی خلوت میں طلب کیا ہے۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ بادشاہ نے شہزادے کو بلا کر تنبیہ کی تھی۔ اسے مہر النساء سے گریز کرنے کو کہا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اسے شیر افگن سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ یہ اس کے خوابوں خیالوں اور مستقبل کے منصوبوں کے خلاف تھا لیکن وہ بادشاہ کے آگے دم نہیں مار سکتی تھی۔ بادشاہ وقت نے اس کی تقدیر لکھ دی تھی اور اس تقدیر کو وہ اپنی کسی تدبیر سے بدل نہیں سکتی تھی۔

وہ اس رات یہ فیصلہ کر کے خلوت میں آئی کہ شہزادے کے ہاتھ نہیں لگے گی، اسے ترسائے گی۔ تڑپائے گی اور آزمائے گی کہ وہ دل سے اس کا طلب گار ہے تو پھر بادشاہ وقت سے اسے اپنے لئے مانگ لے۔ ایک حسین عورت کی خاطر باپ بیٹے اور بھائی بھائی سب ہی ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھا لیتے ہیں۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ شہزادہ اس کی خاطر کس حد تک جا سکتا ہے۔

وہ دوسری رات بھی اس کی خلوت میں آئی۔ وہاں شراب سے بھری ہوئی صراحی' چاندی کے پیالے اور چاندی کے طشت پر تازہ پھل اور خشک میوے رکھے ہوئے تھے۔ شہزادے نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ "چشم ما روشن! دل ما شاد...! کل تو تم نے دلربائی کے خوب انداز دکھائے' خوب سحر زدہ کیا اور خوب پلا کر مدہوش کر دیا..."

اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آہ...! آج صبح ہوش میں آنے کے بعد ہم تمہیں ہی ڈھونڈتے رہے۔ شام ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ یہ دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا' شتاب آ کہ نہیں' تاب اب جدائی کی..."

وہ بولتا ہوا آگے بڑھا۔ مہر النساء نے پیچھے ہٹ کر التجاء آمیز لہجے میں کہا۔ "خدارا...! ہم سے فاصلہ رکھیں۔ قریب نہ آئیں۔ ہم نے کل بھی کہا تھا۔ آج بھی یہی کہتے ہیں۔ ہمیں ایک کنیز کی طرح ایک لونڈی کی طرح حاصل کر کے ہماری توہین نہ کریں۔ ہمیں ہماری ہی نظروں سے نہ گرائیں۔"

"ہمیں قریب آنے سے نہ روکو۔ ہم تمہیں چھونے کے لئے ترس رہے ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ ہم تمہیں نظروں سے گرانا نہیں چاہتے۔ تم یہ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ ہم تمہیں کتنی شدت سے چاہتے ہیں۔ ہم... ہم تمہارے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔"

"ہم نے مہابلی کا حکم سنا ہے۔ انہوں نے ہمیں کسی شیر افگن سے منسوب کیا ہے۔ ہم تو مجبور ہیں، بے بس ہیں، ہمیں ایک گائے کی طرح جس کھونٹے سے باندھ دیا جائے گا، ہمیں وہیں بندھا رہنا ہو گا۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ ہمارے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پھر بتائیں کہ کیسے رہ پائیں گے؟ کیا ایک رات کا کھیل سمجھ کر اس کھلونے کو دوسرے کی جھولی میں پھینک دیں گے؟"

وہ جھنجلا کر پاؤں پٹخ کر وہاں سے پلٹ کر بولا۔ "بابا جانی یہ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔ ہم سے ہماری محبت چھین رہے ہیں اور تم بھی ہمارے لئے اچھا نہیں کر رہی ہو۔ وہ چھین رہے ہیں۔ اور تم چھن جانے سے پہلے فاصلہ قائم کر رہی ہو۔"

"ہم شریف زادیوں کو بچپن سے اپنی عزت آبرو کی اہمیت سمجھائی جاتی ہے۔ اس کی قدر و قیمت یہ ہے کہ ہمارا چاہنے والا پہلے ہم سے نکاح پڑھائے، پھر ہماری آرزو کرے۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے نکاح پڑھائیں گے لیکن ابھی یہ ممکن نہیں ہے۔"

"یہ ابھی تو کیا کبھی ممکن نہیں ہو گا۔"

"تم نہیں جانتیں کہ ہم کتنے ضدی ہیں اور ارادے کے کتنے پکے ہیں۔ آج کی رات گزرنے دو۔ کل ہم اس محل سے تمہیں نکال کر الہ آباد پہنچا دیں گے۔ وہاں ہماری جاگیر ہے۔ ہمارا

لشکر ہے۔"

"کیا آپ مہابلی کے خلاف بغاوت کریں گے؟"

"ہم بغاوت کریں گے، جان کی بازی لگائیں گے۔مگر تمہاری طلب سے باز نہیں آئیں گے۔"

وہ دونوں بازو پھیلا کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔" آؤ...!اب تو ہماری آغوش میں آجاؤ۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔"نہیں صاحب عالم! ہمیں بار بار انکار کرنے پر مجبور نہ کریں۔آپ ہمیں یہاں سے کہیں دور لے جانا چاہتے ہیں۔ہمیں منظور ہے۔ہم آپ کی خاطر دنیا کے آخری سرے تک جائیں گے۔آپ پر اندھا اعتماد کریں گے۔بس آپ سے یہی ایک پہلی اور آخری التجا ہے کہ پہلے ہم سے نکاح پڑھائیں۔"

"مہرالنساء !تمہارا انکار ہمارے مزاج کے خلاف ہے۔ایسا نہ ہو کہ ہم صبر نہ کر سکیں۔اور جبر کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ہم لب دریا آ کر پیاسے نہیں رہتے۔آج کی رات تمہارے ساتھ ضرور گزاریں گے۔"

مہرالنساء نے اچانک ہی اپنے لباس کے اندر سے ایک آب دار خنجر نکال لیا۔شہزادے نے چونک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔وہ بولی۔"اس سے پہلے کہ آپ ہمیں داغدار کریں،ہم یہ خنجر اپنے سینے میں اتار لیں گے پھر آپ ہماری لاش کے ساتھ یہ رات گزاریں گے۔"

شہزادے نے پریشان ہو کر دیکھا۔خنجر کی نوک اس کے سینے پر پہنچ کر رک گئی تھی۔اگر وہ ایک قدم بھی آگے بڑھتا تو وہی نوک سینے میں اتر کر دل کے پار ہو جاتی۔ان حالات میں اسے غصہ بھی آ رہا تھا۔اور اس کی اس ادا پر پیار بھی آ رہا تھا۔کیونکہ وہ آغوش میں آنے سے انکار نہیں کر رہی تھی،لیکن پہلے اپنا جائز حق مانگ رہی تھی۔

اس نے کہا۔"ٹھیک ہے۔ہم جبر نہیں کریں گے۔خنجر پھینک دو۔"

"گستاخی معاف۔پہلے آپ ضمانت دیں کہ صبح تک ہمارے درمیان فاصلہ رہے گا۔"

وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔کیا قیامت تھی کہ دل اس کی طرف کھنچا جاتا تھا۔اس کی طلب سے باز آنا محال تھا۔اس نے سوچا۔"یہی کرنا ہوگا۔بابا جانی کی لاعلمی میں اسے یہاں سے الہ آباد پہنچانا ہوگا۔وہاں ہم من مانی کر سکیں گے۔بابا جانی کے حکم کے خلاف اس سے

نکاح پڑھا کر اسے ہمیشہ کے لئے اپنا بنا سکیں گے۔"

وہ اسے ضمانت دینے اور یقین دلانے کے لئے کچھ کہنا چاہتا تھا۔اس سے پہلے ہی رات کی خاموشی میں بہت دور سے پیش خدمت کی آواز سنائی دی۔"باادب۔باملاحظہ ہوشیار ....شہنشاہ ہندوستان...ظل سبحانی۔جلال الدین اکبر تشریف لا رہے ہیں۔"

یہ اطلاع سنتے ہی مہرالنساء کے ہوش اڑ گئے۔وہ رات کے اس پہر شہزادے کے ساتھ بلاشبہ بدنام ہونے والی تھی۔خنجر کے دستے پر اس کی گرفت اور مضبوط ہو گئی۔اس نے سوچا اگر جلال الدین اکبر نے اسے ایک عام کنیز کی طرح آبرو باختہ سمجھا تو وہ اپنی جان پر کھیل جائے گی۔"

ادھر شہزادہ سلیم پریشان ہو گیا۔کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رات کے اس پہر بابا جانی اچانک تشریف لائیں گے۔اور اپنے شیخو کی حکم عدولی اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

اس نے کہا۔"مہرالنساء!یہاں سے فوراً چلی جاؤ۔اس دوسرے دروازے سے نکل جاؤ۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔"نہیں۔ہم یہاں گنہگار بننے نہیں آئے،ہمارے ارادے نیک ہیں۔اگر بادشاہ سلامت نے ہم سے انصاف نہ کیا تو ہم اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازہ کھل گیا۔مہابلی پورے جاہ و جلال کے ساتھ اندر آ گئے۔ان کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ان کا خیال تھا کہ وہ وہاں پہنچتے ہی بے حیائی کا تماشہ دیکھیں گے لیکن منظر کچھ اور ہی تھا۔مہرالنساء نے خنجر کو مضبوطی سے تھام کر اس کی نوک اپنے سینے پر یوں رکھی تھی جیسے جان دینے والی ہو۔

مہابلی کو روبرو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ گیا۔وہ فوراً ہی فرش پر گھٹنے ٹیک کر دو زانو ہو گئی۔سر کو جھکا دیا۔جلال الدین اکبر نے گرجتے ہوئے پوچھا۔"کیا ہمارے خوف سے خودکشی کرنے والی تھیں؟"

وہ بولی۔"ہم جان کی امان چاہتے ہیں۔مہابلی کا خوف ہمیشہ طاری رہتا ہے لیکن فی الوقت ایسی کوئی بات نہیں تھی۔صاحب عالم گواہ ہیں۔بلند اقبال ولی عہد کے حکم سے ہم یہاں آ تو گئے تھے۔لیکن داغدار ہونے سے پہلے اپنی جان دے دینا چاہتے تھے۔"

جلال الدین اکبر نے اس کے جھکے ہوئے سر کو اور فرش پر پڑے ہوئے خنجر کو دیکھا، پھر اردابیگنیوں کو حکم دیا۔"مہرالنساء کو اس کی قیام گاہ تک پہنچا دیا جائے۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی، پھر اسی طرح سر جھکائے اردابیگنیوں کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔ بادشاہ نے بیٹے کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "شیخو بابا! ہم نے کہا تھا کہ مہرالنساء پرائی ہو چکی ہے۔ ہم علی قلی خاں کو زبان دے چکے ہیں۔ اس کے باوجود تم نے اسے یہاں طلب کیا۔ جواب دو کہ ایک بیٹے نے اپنے باپ کی اور ایک ولی عہد نے بادشاہ وقت کی نافرمانی کیوں کی ہے؟"

شہزادے نے کہا۔ "ہم شرمندہ ہیں۔ اپنے بابا جانی سے التجا کرتے ہیں' اپنے شیخو کی یہ ایک خواہش پوری کر دیں۔ مہرالنساء کو ہماری زوجیت میں دے دیں۔"

وہ گرجنے کے انداز میں بولا۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ موت ٹل سکتی ہے، مگر ہمارا فیصلہ نہیں ٹلتا۔ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ہم اپنی زبان سے پھر جائیں گے۔ جسے زبان دی ہے اس کے آگے ہمارا سر جھکانے کی بات کرتے ہو۔"

وہ قریب آ کر بولا۔ "جسے تم مانگ رہے ہو اسی کی خاطر تم نے حکم عدولی کی ہے۔ تمہارا یہ انداز باغیانہ ہے۔ اور تمہیں بغاوت کی سزا ملے گی۔"

شہزادہ ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا رہا۔ بادشاہ نے کہا۔ "ہمارا حکم ہے کل سے تین دنوں تک تم اس چار دیواری سے باہر نہیں جاؤ گے۔ یہاں نظر بند رہو گے۔ اپنی کسی بیگم' کسی کنیز سے کوئی رابطہ نہیں رکھو گے۔ تمہاری خدمت گزاری کے لئے صرف دو خواجہ سرا یہاں موجود رہیں گے۔"

اس نے یہ حکم صادر کیا پھر غصے سے پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا اس عیش کدے کی چار دیواری سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

شہنشاہ جلال الدین اکبر کو حضرت شیخ سلیم چشتیؒ سے بڑی عقیدت تھی اور اس کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کی ہی دعاؤں سے تاج و تخت کا ایک وارث پیدا ہوا ہے۔ اس عقیدت کی بناء پر اس نے اپنے اس وارث کا نام سلیم رکھا تھا۔ اور بڑی محبت سے اسے شیخو بابا کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ بادشاہ اور ملکہ کے بے جا لاڈ پیار نے اسے ضدی اور سرکش بنا دیا تھا۔

شہزادوں اور شاہی خاندان کے دیگر افراد کے لئے فن سپہ گری میں مہارت حاصل کرنا لازمی ہوتا تھا۔ شہزادہ سلیم بھی بچپن ہی سے تیر و تلوار چلانے میں اور بندوق سے نشانہ لینے میں مہارت حاصل کرتا رہا تھا۔ لیکن شام ہوتے ہی حرم سرا کی کنیزوں' رقاصاؤں اور خواجہ سراؤں کی

صحبت میں رہ کر وقت سے پہلے جوانی کی طرف دوڑ لگاتا رہا تھا۔

پندرہ برس کی عمر میں ہی اس کی پہلی شادی راجہ بھگوان داس کی بیٹی اور راجہ مان سنگھ کی بہن مان بائی سے ہوئی۔ شاہی محل میں آنے کے بعد مان بائی کو شاہ بیگم کا خطاب دیا گیا۔ اسی شاہ بیگم سے اس کا پہلا بیٹا خسرو پیدا ہوا۔ پھر جلال الدین اکبر اپنی سیاسی مصلحتوں کی بناء پر کسی نہ کسی ہندو راجے کی بیٹی یا بہن سے اس کی شادیاں کراتا رہا۔ اس طرح اس کی فطرت میں حسن پرستی اور عیاشی رچ بس گئی تھی۔

اکبر نے اپنے شیخو کی زیادہ تر شادیاں شہزادگی کے دور میں کرائی تھیں۔ اس کی بیگمات میں پانچ مسلمان تھیں۔ اور باقی تمام ہندو راج گھرانوں سے آئی تھیں۔ باقی کنیزوں کا کوئی حساب نہیں تھا۔ جس سے دل بھر جاتا اس کی چھٹی کر دی جاتی تھی۔ وہ شراب و شباب کا رسیا بھی تھا۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ اسے دودھ پلانے والی اور اس کی پرورش کرنے والی دائی نے افیون کا چسکا لگا دیا تھا۔ وہ زندگی کی آخری سانسوں تک افیون کی مقررہ مقدار کا عادی رہا تھا۔ کسی دن افیون نہ ملتی تو اس کی بدمزاجی بڑھ جاتی تھی یا وہ بالکل ہی نڈھال سا ہو جاتا تھا۔

اس کے آگے کوئی کچھ بولنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کی پسند کی کوئی چیز اٹھا کر لے جاتا۔ زندگی میں پہلی بار اس کے بابا جانی اس کی مہرالنساء کو چھین کر اسے شیر افگن کے حوالے کر رہے تھے۔ وہ تین دنوں تک محل کی چار دیواری میں نظر بند رہ کر غصے سے سوچتا رہا، اور جھنجھلاتا رہا۔ وہ ہمیشہ باپ کے حکم پر سر جھکاتا رہا تھا لیکن اب اختلافات کی دو اہم وجوہات پیش آ رہی تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اکبر کے وزیر و مشیر خاص ابوالفضل کو اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ اکبر اس کے مشوروں کو خاص اہمیت دیتا تھا۔ اور ان پر ضرور عمل کرتا تھا۔

ابوالفضل نے ہی بادشاہ اکبر کو دین اسلام سے پھیر دیا تھا اور ایک نیا دین الٰہی قائم کرنے کے سلسلے میں پیش پیش رہا تھا۔ بادشاہ پھر بادشاہ ہوتا ہے۔ وہ دین کے خلاف بھی اقدامات کرے تو کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوتا۔ جو مجاہدین اس نئے دین کے خلاف آواز اٹھاتے تھے۔ انہیں گرفتار کیا جاتا تھا۔ سزائیں دی جاتی تھیں۔ اور موت کے گھاٹ بھی اتار دیا جاتا تھا۔

شہزادہ سلیم نے کہا تھا۔ "بابا جانی! ہم آپ کے دین کے خلاف آواز نہیں اٹھائیں گے۔ لیکن اسے قبول نہیں کریں گے۔ آپ کا دین آپ کے ساتھ، اور ہمارا دین ہمارے ساتھ رہا

ہے اور رہے گا۔"

یہ باپ کے خلاف بیٹے کی پہلی مخالفت تھی۔ پھر شہزادے کو معلوم ہوا کہ ابوالفضل اس کے خلاف بادشاہ کے کان بھرتا رہتا ہے۔ وہ شہزادہ اپنے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتا تھا۔ اس نے ابوالفضل کو قتل کروا دیا۔ اس کے اس اقدام سے باپ بیٹے کے درمیان رنجشیں پیدا ہوئیں۔ باپ نے اسے تنبیہ کی۔ "شیخو بابا! تم سرکشی کی طرف مائل ہو۔ تم نے ہمارا دین الٰہی قبول نہیں کیا۔ ہم نے برداشت کر لیا۔ لیکن ابوالفضل کو قتل کروا کے تم نے باغیانہ انداز اختیار کیا ہے۔ ہم آخری بار تمہیں سمجھاتے ہیں۔ سنبھل جاؤ۔ ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔"

وہ کیا سنبھلتا؟ اس تنبیہ کے بعد باپ نے بیٹے سے اس کی محبت چھین لی تھی۔ وہ حسن پرست اور عیاش تھا۔ لیکن زندگی میں پہلی بار محسوس کر رہا تھا کہ مہرالنساء سے دلی لگاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ اس کے دل و دماغ پر چھا گئی ہے۔ وہ پہلی حسینہ ہے جو اس کی محبت ہی نہیں اس کی ضرورت بھی بن گئی ہے۔ اور وہ ایک دو گھڑی کے لئے نہیں ساری زندگی کے لئے ضروری ہو گئی ہے۔

وہ جھنجھلاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ "مہرالنساء میری زندگی کی پہلی اور آخری آرزو ہے۔ اور بابا جانی اسے ہم سے چھین رہے ہیں۔ ہم ان کے خلاف کچھ بول بھی نہیں سکتے۔ اور یہ زیادتی برداشت بھی نہیں کر سکتے۔ ہمیں جو چیز آسانی سے نہیں ملتی۔ ہم اسے چھین لیا کرتے ہیں۔ مگر مہرالنساء کو کس طرح چھین سکیں گے؟"

فی الوقت ایک ہی بات سمجھ میں آئی کہ باپ کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرنا چاہئے۔ بغاوت کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

تین دن کی نظر بندی کے بعد رہائی ملی تو وہ الہ آباد چلا گیا۔ اکبر نے اپنے تینوں شہزادوں سلیم، مراد اور دانیال کو مختلف علاقوں کا حکمران بنایا تھا۔ انہیں اپنے اپنے علاقوں میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے بھاری تعداد میں لشکر رکھنے کی اجازت تھی۔ وہ وسیع اختیارات کے مالک تھے۔ مجرموں کو سزائیں دے سکتے تھے۔ لیکن کسی مجرم کو سزائے موت دینے سے پہلے بادشاہ اکبر کی منظوری لازمی ہوتی تھی۔

شہزادہ سلیم نے پہلی بار اپنے بابا جانی سے منظوری حاصل کئے بغیر دو افراد کو سزائے موت دی۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ شہزادے کے شوق کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اس نے ایک خوبصورت سبزہ خط جوان کو منظور نظر بنا رکھا تھا۔ تاریخ میں صرف اتنا ہی درج ہے کہ ایک وقائع نویس سے

اس نوجوان کے تعلقات استوار ہو گئے تھے۔ اور وہ اس کے ساتھ فرار ہو رہا تھا کہ گرفتار کر لیا گیا۔ شہزادہ یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ کہ کوئی اس کا مال چرا کر لے جائے۔ چرانے والا وقائع نویس بھی مجرم کہلایا، اور جس نوجوان نے شہزادے سے دغا کی وہ بھی سزا کا مستحق ٹھہرا۔

بادشاہوں کے تواریخ لکھنے والے خوفزدہ رعایا کی زندگی کا تجزیہ پیش نہیں کرتے۔ صرف یہ کہہ دینا غلط ہے کہ اس نوجوان نے کسی سے تعلقات قائم کرنے کا جرم کیا تھا۔ اگر وہ جرم تھا۔ تو شہزادہ بھی یہی جرم کرتا رہا تھا۔

اگر اس نوجوان کے پہلو سے تجزیہ کیا جائے تو دو باتوں میں کوئی ایک سچ ہو سکتی تھی۔ اس جوان کا منفی پہلو یہ ہو سکتا تھا کہ وہ دولت کمانے کے لئے شہزادے کا منظور نظر بن گیا تھا۔ اس نے بعد میں ایک وقائع نویس سے بھی تعلقات استوار کئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شہزادہ، وہ نوجوان اور وہ وقائع نویس تینوں ہی بدکردار تھے۔ تینوں ہی قابل گردن زنی تھے۔

اگر اس جوان کا مثبت پہلو سے تجزیہ کیا جاتا تو یہ حقیقت سامنے آتی کہ بادشاہ ہوں یا شہزادے ہوں انہیں جو حسین لڑکی یا لڑکا پسند آتا تھا۔ اسے اٹھوا کر اپنی حرم میں رکھ لیا جاتا تھا۔ ان حالات میں ان بیچاروں کے سامنے دو ہی راستے ہوتے تھے۔ ایک تو اس حکمران کو خوش کر کے جان کی امان بھی پائیں اور کچھ مال و دولت بھی حاصل کریں۔

دوسرا راستہ یہ تھا کہ بادشاہ یا شہزادے کو خوش نہ کرے اور ایک ہی بار ملنے والی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی؟ ان مظلوموں کو بھی عزیز ہوتی تھی۔ اس لئے وہ شہ زوروں کے آگے راضی رہتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے تمام مورخین نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے تاریخ لکھی ہے۔ ہندو مورخ نے اپنے دھرم اور اپنے نقطہ نظر کے مطابق مسلمان بادشاہوں کو پیش کیا ہے۔ اور ہندوں راجاؤں اور مہاراجاؤں کے گن گائے ہیں۔ اسی طرح مسلمان مورخین نے ہندو راجاؤں اور مہاراجاؤں پر سخت تنقید کی ہے اور مسلمان بادشاہوں کو خوب سراہا ہے۔ یورپ کے انگریز مورخین نے تو ہندو مہاراجاؤں اور مسلمان بادشاہوں کی جہاں تعریف کی ہے، وہاں ان کے کردار کی دھجیاں بھی اڑائی ہیں۔ جن بادشاہوں نے اپنی سوانح عمری لکھی ہے، انہوں نے اپنے کردار کے مثبت پہلوؤں کو تو پیش کیا ہے مگر منفی پہلوؤں کو نظرانداز کیا ہے۔ ابن بطوطہ سمیت جتنے بھی سیاح ہندوستان میں آئے اور گئے انہوں نے اپنے دور میں جو کچھ باہر سے دیکھا، وہی لکھا۔

لیکن درباروں اور محلوں کے اندر در پردہ کیا ہوتا رہا اسے نہ انہوں دیکھا اور نہ ہی اس سلسلے میں کچھ لکھا۔

بہرالحال اس سبزہ خط نوجوان کے بارے میں بھی اتنا ہی لکھا گیا ہے کہ اس نے ایک وقائع نویس سے تعلقات استوار کیے، اس کے ساتھ فرار ہونا چاہتا تھا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جسے شہزادے کی گود میں بیٹھ کر دولت مل رہی تھی اور انعام اکرام سے نوازا جا رہا تھا، وہ ایسی خوشحال زندگی چھوڑ کر ایک معمولی وقائع نویس کے ساتھ کیوں بھاگے گا؟

اگر مثبت پہلو سے جائزہ لیا جائے تو ہر دور کے نوجوان بہتر اور تعمیری زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے وہ علم و ہنر حاصل کرتے ہیں۔ اس دور کے جوان بھی دربار شاہی میں جگہ بنانے کی کوششیں کرتے تھے۔ ایسی کوششیں کرتے وقت اگر کوئی نوجوان انتہائی خوبصورت اور نازک اندام ہوتا تو اسے بادشاہ یا شہزادے کی خلوت میں پہنچا دیا جاتا تھا۔

کسی کے ساتھ فرار ہونے والا نوجوان دراصل ایک بہتر تعمیری زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ شہزادے کے ساتھ جیسی گناہ آلود زندگی مل رہی تھی۔ اسے گوارا نہ تھا۔ وہ وہاں سے رہائی حاصل کرنا چاہتا تھا اور وہ وقائع نویس بھی گناہگار نہیں تھا۔ اسے اس نوجوان سے ہمدردی تھی۔ وہ اس کی بہتری چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے اس کے فرار کا راستہ ہموار کیا۔ لیکن دونوں ہی بدقسمتی سے گرفتار ہوگئے۔ شہزادہ سلیم نے غصے سے حکم دیا کہ ان دونوں کی کھالیں کھینچ لی جائیں۔

تصور میں دیکھا جا سکتا ہے۔ سوچا جا سکتا ہے اور سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی زندہ انسان کی کھال کھینچتے وقت اس پر کیا گزرتی ہوگی؟ وہ کیسی اذیتوں سے گزرتا ہوگا؟ ایسے مظالم کے پیش نظر اشرف المخلوقات کو انتہائی درندگی کی حدوں سے گزر جانے والا شیطان کہنا چاہیے۔

یہ خبر شہنشاہ جلال الدین اکبر تک پہنچی تو اس نے نہایت رنجیدہ ہو کر کہا۔ ''شیخو بابا نے یہ کیا کیا؟ ہم نے ذبح کئے بغیر کبھی کسی جانور کی بھی کھال نہیں کھنچوائی، اور اس نے زندہ انسانوں کی کھال کھنچوا دی؟''

اس نے شہزادے کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ لیکن وہ طرح دے گیا۔ اس حکم عدولی کے باعث شہزادے سے رام پور کی جاگیر چھین لی گئی۔ سلیم اپنے بھاری لشکر کے ساتھ الہ آباد میں تھا۔ اکبر نے پیغام بھیجا۔ ''اگر باغیانہ روش پر چلتے رہو گے تو لشکر کشی کی جائے گی اور اگر باپ بیٹے کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو تم جانشینی کے حق سے محروم ہو جاؤ گے۔''

شہزادے نے جواب لکھ کر بھیجا۔ ''ہم مہر النساء کی خاطر جانشینی سے محروم ہو سکتے

ہیں۔ تاج و تخت بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے مطالبے سے باز نہیں آ سکتے۔ ہم اپنے بابا جانی سے بار بار التجا کریں گے کہ مہر النساء ہمیں بخش دی جائے۔ اس کے بعد ہم آپ کے قدموں میں آ گریں گے۔''

ملکہ مریم زمانی نے بیٹے کا جواب سن کر بادشاہ اکبر سے کہا۔ ''مہابلی! آپ بیٹے کی ضد پوری کر دیں۔ یہ جھگڑا ختم ہو جائے گا۔''

سلیم کی بیوی نے بھی التجا کی۔ ''مہابلی اگر ضد نہ پوری کریں تو کچھ ایسا کریں کہ باپ بیٹے کے درمیان جنگ کی نوبت نہ آئے۔''

جلال الدین اکبر نے غصے سے کہا۔ ''شیخو بابا صرف ضدی ہی نہیں ہے، نافرمان اور گستاخ بھی ہے۔ یہ لہو کا کیسا رشتہ ہے کہ ایک عورت نہ ملی تو وہ باپ کی اطاعت نہیں کرے گا؟ اور اطاعت اس شرط پر کرے گا کہ پہلے اس عورت کے قدموں میں گرے گا۔ اس کے بعد باپ کے قدموں میں آئے گا۔''

اس نے بردوان سے علی قلی خاں (شیر افگن) کو طلب کیا۔ اس کے حاضر ہوتے ہی اسے حکم دیا۔ ''آج ہی مہر النساء سے نکاح پڑھا کر اسے یہاں سے لے جاؤ۔ اگرچہ تم یہاں دھوم دھام سے شادی نہیں کر سکو گے۔ لیکن اپنے صوبے میں جا کر جشن منانے کی حسرتیں پوری کر سکو گے۔''

شیر افگن نے حکم کی تعمیل کی۔ مہر النساء سے نکاح پڑھوا کر اسے اپنے صوبے میں لے گیا۔ وہ شہزادے کی منکوحہ بن کر مستقبل میں ہندوستان کی ملکہ بننے کے خواب دیکھتی رہی تھی۔ لیکن عاقبت نااندیش شہزادے کے غلط اقدامات کے باعث پرائی ہو گئی۔ جلال الدین اکبر کے جاہ جلال کے آگے شیر افگن کی منکوحہ بننے سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اس وقت اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔

شہزادے کے خوشامدی مصاحبین اسے بادشاہ کے خلاف ورغلا رہے تھے۔ مہر النساء کو حاصل کرنے کے لئے اس کے جذبات کو بھڑکا رہے تھے اور مشورہ دے رہے تھے۔ کہ وہ تخت و تاج حاصل کر کے شہنشاہ ہندوستان بن کر ہاری ہوئی مہر النساء کو جیت سکتا ہے۔

شہزادے کی ماں راجہ بہاری مل کی بیٹی مان بائی تھی۔ اکبر کی منکوحہ بننے کے بعد اس کا لقب مریم زمانی ہوا تھا اور شہزادے کی بیوی راجہ اودے سنگھ کی بیٹی جگت گوسائیں تھی۔ ان دونوں نے دہلی سے الہ آباد آ کر شہزادے کو سمجھایا۔ ماں نے کہا۔ ''ایک عورت کے لئے پاگل نہ بنو۔ ہوش و

حواس میں رہ کر عقل سے سوچو تم بیٹے ہو، بیٹے ہی رہو گے باپ کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ لشکر اکبری نے حملہ کیا تو تنکے کی طرح اڑ جاؤ گے۔"

شہزادے نے کہا۔" آپ ہمیں سمجھانے آئی ہیں، کیا بابا جانی کو نہیں سمجھا سکتی تھیں؟ انہوں نے ہمارے دل کا خون کیا ہے۔"

اس کی بیوی جگت گوسائیں نے کہا۔" آپ ایک عاشق کے دل سے نہیں۔ ایک ولی عہد اور جانشین کی عقل سے سوچیں۔ آپ تاج پہن کر تخت پر بیٹھ کر ہزاروں مہرالنساؤں کو حاصل کر سکتے ہیں۔"

"ہم ہزاروں کو نہیں۔ صرف ایک مہرالنساء کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

جگت گوسائیں نے کہا۔" وہ بھی آپ کی جھولی میں آ جائے گی۔ چنگیزی تورا کا یہ قانون ہے کہ بادشاہ کسی عورت کو طلب کرے تو اس کا شوہر اسے طلاق دے کر اپنی عورت کو بادشاہ کے حوالے کر دیتا ہے۔"

شہزادے نے سوچتی ہوئی نظروں سے بیوی کو پھر ماں کو دیکھا۔ وہ چنگیزی تورا کا یہ قانون بھول گیا تھا۔ ماضی میں اس کے بابا جانی نے بھی یہی کیا تھا۔ ایک شخص عبدالواسع کی حسین و جمیل بیوی نرگس کو طلب کیا تھا۔ اور عبدالواسع نے نرگس کو طلاق دے کر اسے اکبر کے حرم میں جانے کی آزادی دے دی تھی۔

شہزادے نے جگت گوسائیں کا ہاتھ تھام کر کہا۔" ہم تو یہ بھول ہی گئے تھے۔ تم نے خوب یاد دلایا ہے بے شک جب ہم بابا جانی کی جگہ تخت پر بیٹھیں گے تو چنگیزی تورا کے قانون کے مطابق مہرالنساء کو طلب کریں گے۔ ایسے وقت بابا جانی بھی اعتراض نہیں کر سکیں گے۔"

ماں نے کہا۔" ایسا اس وقت ہو گا جب تم باپ کی اطاعت کرو گے۔ اس کے قدموں میں گر کر اپنی غلطیوں اور نادانیوں کی معافی مانگو گے۔ اور تخت نشینی کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرتے رہو گے۔"

جگت گوسائیں نے کہا۔" آپ صبر و تحمل سے کام لیں۔ ہم اپنے بزرگوں سے یہ کہاوت سنتے آ رہے ہیں کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ آپ جس میٹھے پھل کے لئے ترس رہے ہو، وہ آپ کو ضرور ملے گا۔"

ماں اور بیوی اسے سمجھا منا کر باپ کے پاس لے آئیں۔ بیٹا' باپ کے پاس پہنچتے ہی

قدموں سے لپٹ کر گڑگڑا کر اپنی غلطیوں اور نادانیوں کی معافی مانگنے لگا۔ جلال الدین اکبر نے کہا۔" تم ہمارا خون ہو، اور ہم تمہیں کاٹ کر پھینک نہیں سکتے۔ یہ سوچ کر معاف کر رہے ہیں۔ کہ صبح کا بھولا شام کو گھر آ گیا ہے۔"

باپ بیٹے ایک دوسرے سے راضی ہو گئے۔ مغلیہ سلطنت کو کمزور بنانے کے سلسلے میں جو در پردہ سازشیں ہو رہی تھیں۔ وہ کمزور پڑ گئیں۔ جلال الدین اکبر نے ہندوؤں سے دوستی کر کے اپنی سلطنت کو وسیع کرنے اور قائم رکھنے کے لئے اپنے طور پر بڑی حکمت عملی کا ثبوت دیا تھا۔ راجاؤں مہاراجاؤں کی بیٹیوں اور بہنوں سے خود بھی شادی کی تھی، اور شہزادوں کی بھی شادیاں کرائی تھیں۔ لیکن تصویر کے دوسرے پہلو کو بھول گیا تھا کہ ہندوؤں میں ایسے دشمن بھی ہو سکتے ہیں جو شاہی دربار میں عہدیدار بن کر اور شاہی محل میں رشتے دار بن کر اندر ہی اندر جڑیں کاٹ سکتے ہیں۔

راجہ بہاری مل مغل حکمران جلال الدین اکبر کے مقابلے میں بہت کمزور تھا۔ اس نے اپنی وسیع و عریض جاگیر کو قائم رکھنے کے لئے اپنی بیٹی اکبر کے نکاح میں دے دی۔ وہ بادشاہ کی منکوحہ بن کر مریم زمانی کہلانے لگی۔ پھر اس نے ولی عہد سلیم کی ماں بننے کا فخر حاصل کیا۔

اس پہلو کو نظر انداز نہیں جا سکتا کہ راجا بہاری مل نے دل سے نہیں' مسلمان حکمران کے خوف سے رشتے داری کی تھی۔ مریم زمانی راجہ مان سنگھ کی بُوا (پھوپھی) تھی۔ مان سنگھ بھی مسلمانوں سے رشتے کے خلاف تھا۔ لیکن بادشاہ کے خلاف بولنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ چپ چاپ در پردہ سازشیں کرتا رہا۔ شاہی خاندان میں رشتے داری ہوئی تو اس نے اور راجہ بہاری مل نے اکبر کا سسر ہونے کے ناتے ایسے ہندوؤں کو دربار میں اعلیٰ عہدے دلائے جو اس کے ہم مزاج تھے۔ اور ایسی ہندو لڑکیوں کو کنیزوں کی حیثیت سے حرم سرا میں پہنچایا' جو اندر کی باتیں ان کے کانوں تک پہنچاتی رہتی تھیں۔

شہزادہ سلیم کو دودھ پلانے والی دائی نے افیون کا چسکا لگایا تھا۔ وہ ہندو کنیزیں افیون کی خوراک میں کمی نہیں ہونے دیتی تھیں۔ اور شراب نوشی کی مقدار میں اضافہ کرتی رہتی تھیں۔

راجہ مان سنگھ اور دوسرے ہندو راجاؤں کا یہ منصوبہ تھا کہ ولی عہد دن رات نشے کا عادی ہو جائے، اور جب تخت پر بیٹھے تو سلطنت کو اپنے آباؤ اجداد کی طرح قائم نہ رکھ سکے۔

ان ہی لوگوں نے بادشاہ اکبر کو دین الٰہی قائم کرنے کا راستہ دکھایا۔ بڑے بڑے دلائل

سے بادشاہ کو یقین دلایا کہ اس کا دین الٰہی تمام مذاہب پر غالب آ جائے گا۔

ابوالفضل بادشاہ اکبر کا قابل اعتماد وزیر اور مشیر تھا۔ مان سنگھ کے ہندو مصاحبین نے شہزادہ سلیم کو ابوالفضل کے خلاف اس قدر بھڑکایا کہ اس نے ابوالفضل کے قتل کا حکم دے دیا۔ اسے قتل کرنے والا بھی ایک ہندو نر سنگھ دیو تھا۔

راجہ مان سنگھ کی پھوپھی نے بادشاہ اکبر کی زندگی میں آتے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ کبھی اپنے ہندو باپ راجا بہاری مل اور اپنے بھتیجے مان سنگھ کی سازشوں میں شریک نہیں رہی۔ بلکہ سازش کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ اس کا اپنا بیٹا سلیم آئندہ ہندوستان کا شہنشاہ کہلانے والا تھا۔

بادشاہ اکبر اور شہزادہ سلیم کے درمیان عداوت کی جو خلیج پیدا ہوئی تھی۔ اسے ملکہ مریم زمانی اور جگت گوسائیں نے بڑی دانشمندی اور حکمت عملی سے ختم کر دیا۔ انہوں نے سلیم کو سمجھا منا کر باپ کے قدموں میں گرا دیا تھا۔ اس طرح مان سنگھ کی ایک سازش ناکام رہی تھی۔

شہزادہ سلیم کی پہلی شادی پندرہ برس کی عمر میں مان سنگھ کی بہن مان بائی سے ہوئی تھی۔ مان بائی نے بھی اسلام قبول کیا تھا۔ اور اس کا نام شاہ بیگم رکھا گیا تھا۔ شاہ بیگم سے ایک بیٹا خسرو پیدا ہوا۔ جب شہزادہ سلیم چھتیس برس کا ہوا تو اس کا بیٹا خسرو بیس برس کا ہو گیا۔ سلیم ان ہی دنوں مہر النساء پر عاشق ہوا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب مان سنگھ کی سازشوں کے نتیجے میں سلیم اپنے باپ کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گیا تھا۔ بہر الحال اس کی وہ سازش ناکام ہوئی تھی۔

مان سنگھ نے اپنے بھانجے خسرو کو گود میں کھلایا تھا۔ اس کے زیادہ سے زیادہ قریب رہا کرتا تھا۔ اس سے کہا کرتا تھا۔ "تمہارے دادا حضور مہابلی جلال الدین اکبر بڑی لمبی عمر لے کر اس دنیا میں آئے ہیں۔ جب وہ تاج و تخت چھوڑیں گے تو تمہارے ابا حضور (سلیم) کو حکومت ملے گی۔ جب تمہارے تخت پر بیٹھنے کی باری آئے گی تو اس وقت تک تم بوڑھے ہو چکے ہو گے۔ حکومت کرنے کا مزہ جوانی میں آتا ہے۔ کیا تم کبھی اس پہلو سے سوچتے ہو؟"

خسرو نے کہا۔ "ماما جی...! ہمارے سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟ جب ہمارے نصیب میں ہو گا تب ہی ہمیں تاج پہننا اور تخت پر بیٹھنا نصیب ہو گا۔"

"تم غلط سوچتے ہو۔ اپنے بابا حضور کو دیکھو۔ یہ چھتیس برس کے ہو رہے ہیں۔ انہوں نے بھی سمجھ لیا ہے کہ جب تک تمہارے دادا جان زندہ ہیں، انہیں حکومت نہیں ملے گی۔ اسی لئے وہ

بغاوت کر رہے تھے۔ لیکن بہت ہی بزدل اور کمزور ہیں۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اب وہ بوڑھے ہونے تک تخت پر بیٹھنے کے خواب دیکھتے رہیں گے۔ کیا تم بھی بوڑھے ہو کر حکومت کرنا چاہو گے؟"

"نہیں ماما جی! آپ ٹھیک کہتے ہیں حکومت کا مزہ تو جوانی میں ہی آتا ہے۔ اپنے بابا حضور اور دادا حضور سے تخت مانگوں گا تو نہیں ملے گا اور چھیننے کے لئے بغاوت لڑنی ہو گی۔"

"تو پھر کرو۔ سوچتے کیا ہو؟ سوچنے سے منزل نہیں ملتی۔ بغاوت کا حوصلہ کرو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ تمہیں ایسے ایسے مشورے دوں گا۔ جن پر عمل کرتے ہی چند دنوں میں تخت و تاج حاصل کر لو گے۔"

وہ بھانجے کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے؟"

خسرو بچپن ہی سے اپنے ماموں مان سنگھ سے متاثر تھا۔ اپنے باپ ولی عہد سلیم سے بہت زیادہ محبت اور قربت نہیں ملی۔ لہٰذا باپ کے لئے کچھ زیادہ اپنائیت نہیں تھی۔ اس کی والدہ مان بائی شاہ بیگم اسے سمجھاتی تھی۔

"خسرو! جان مادر...! تم اپنی جسامت سے بڑا لباس اور جوتے نہیں پہن سکتے، عمر کے مطابق قد آور اور جسیم ہونے کے بعد پہن سکتے ہو۔ لہٰذا وقت سے پہلے تخت پر بیٹھنے اور حکومت کرنے کے خواب کبھی نہ دیکھا کرو۔ اپنے بابا حضور (سلیم) سے بدظن نہ رہا کرو۔ وہ اپنے من مزاج کے مطابق کبھی امور سلطنت میں مصروف رہتے ہیں، اور کبھی عیش و عشرت میں وقت گزارتے ہیں۔ تم پر زیادہ توجہ نہیں دیتے لیکن ہم ماں ہیں۔ ہم نے تمہیں جنم دیا ہے۔ تم پر بچپن سے توجہ دیتے آ رہے ہیں۔ اپنے ماموں مان سنگھ کی عزت کرو۔ مگر ان کی ایسی کسی بات پر عمل نہ کرو جو تمہارے ابا حضور اور دادا حضور کے خلاف ہو۔ آج اپنے باپ دادا کے فرمانبردار رہو گے تو آنے والا کل تمہیں تخت نشین کرے گا اور تمہارے سر پر تاج رکھے گا۔"

مان بائی شاہ بیگم اسلام قبول کرنے کے بعد ولی عہد سلیم کی زوجیت میں آئی تھی۔ اپنے شوہر کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ اپنے بیٹے خسرو کو بھی سمجھاتی تھی کہ باپ سے محبت کرے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے، جس سے مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھر جائے۔

لیکن ماموں مان سنگھ بہت پہلے ہی اس کی عادتیں بگاڑ چکا تھا۔ وہ ماں کی نصیحتوں کو

ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑاتا رہا اور ماموں کے مشوروں کے مطابق ان راجہ اور مہاراجاؤں سے چپکے چپکے ساز باز کرتا رہا جو قسمیں کھا کر اسے یقین دلا رہے تھے کہ وہ تاج وتخت کے لئے بغاوت کرے گا تو تمام مہاراجے اپنے لشکروں کے ساتھ اس کی مدد کے لئے پہنچ جائیں گے۔

کسی راجہ مہاراجہ میں اتنی جرات نہیں تھی کہ وہ شہنشاہ جلال الدین اکبر کے خلاف فوج کشی کرتا۔ وہ سب کھل کر مقابلے پر آنا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا ان سب نے مل خسرو کو آلہ کار بنایا' اسے سامنے رکھا اور پیچھے اپنی فوج کے سپاہی اور ہتھیاروں کا ذخیرہ دیا۔ خسرو کو یہ سمجھا دیا کہ بادشاہ اکبر کے سامنے کبھی ان راجاؤں اور مہاراجاؤں کا نام نہ آئے۔

یوں بھرپور منصوبہ بندی کے بعد خسرو نے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ جلال الدین اکبر ان دنوں کئی طرح کے صدمات سے دوچار ہو رہا تھا۔ اور بیمار رہنے لگا تھا۔ پہلا صدمہ تو یہی تھا کہ اپنے نئے دین الٰہی کو رعایا پر مسلط کرنے میں ناکام رہا تھا۔ دوسرا صدمہ یہ تھا کہ اس کا دست راز قابل اعتماد وزیر و مشیر ابوالفضل کو قتل کر دیا گیا تھا۔ پھر یہ صدمہ گزرا کہ اس کے چہیتے بیٹے شیخو بابا نے بغاوت کی تھی۔ باپ سے نافرمانی کرتا رہا تھا۔ جب اس کی نافرمانی اور بغاوت ختم ہوئی اور وہ بادشاہ کے قدموں میں چلا آیا تو بیٹے کے بعد اس کے پوتے خسرو نے بغاوت شروع کر دی۔

ان صدمات نے اسے توڑ کر رکھ دیا۔ وہ بستر علالت سے اٹھنے کے قابل نہ رہا۔ اپنے ولی عہد کو بلا کر کہا۔ "شیخو بابا! ہمارا پوتا نوجوان ہے اور نوجوانی میں سب ہی نادانیاں کرتے ہیں۔ وہ خوشامدی مصاحبین اور ہمارے دشمنوں میں گھر گیا ہے۔ وہ سب اسے ہمارے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ تم جاؤ اور ہمارے پوتے کو پیار و محبت سے سمجھاؤ۔ نہ مانے تو ذرا سختی کرو۔ ایسی سختی نہ کرنا کہ اسے کوئی نقصان پہنچے۔ اسے ہمارے پاس لے آؤ۔ ہم اسے گلے لگائیں گے اس کے مطالبات پورے کریں گے پھر یقیناً اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہوگا۔"

شہزادے نے کہا۔ "بے شک۔ غلطیوں کا احساس ہونا چاہئے۔ ہم اسے آپ کے قدموں میں لا کر جھکائیں گے تو دشمن اپنی سازشوں میں بری طرح ناکام ہو جائیں گے۔"

اس نے ایک قاصد کو خسرو کی طرف روانہ کیا۔ اور یہ لکھ بھیجا کہ تمہارے دادا حضور بہت بیمار ہیں۔ تمہیں ان کی عیادت کے لئے فوراً حاضر ہونا چاہئے۔ پھر تمہارے دل میں جو شکایتیں ہیں وہ ان کے سامنے پیش کرو۔ ہم تمہاری حمایت کریں گے۔ تمہاری تمام شکایتیں دور کی جائیں گی۔ اس تحریر کو پڑھتے ہی چلے آؤ۔

اس نے جواباً لکھا۔ "ہمیں افسوس ہے' ہم دادا حضور کی عیادت کے لئے حاضر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہم مسیحا نہیں ہیں۔ فی الحال انہیں بہترین معالج کی ضرورت ہے۔ آپ ان کے لئے دوائیں کریں۔ ہم دعائیں کر رہے ہیں۔

ہمارے دادا حضور اور دادا فردوس مکانی ظہیر الدین بابر کو بہت ہی کم عمری میں تاج و تخت حاصل ہوا تھا۔ لہٰذا ہم بھی اپنی تخت نشینی اور تاج پوشی کے خواہش مند ہیں۔ آپ اور دادا حضور ہماری یہ خواہش پوری کر سکتے ہیں۔

جس روز ہماری جانشینی کا اعلان کیا جائے گا اور ہماری تخت نشینی اور تاج پوشی کا دن مقرر کیا جائے گا' ہم اسی دن قدم بوسی کے لئے حاضر ہو جائیں گے۔"

جلال الدین اکبر نے یہ جواب سن کر شہزادے سے کہا۔ "شیخو بابا! ہمارا پوتا بغاوت کی روش سے باز نہیں آئے گا۔ اس کی گوش مالی لازمی ہے۔ لہٰذا اس پر لشکر کشی کی جائے اور اسے گرفتار کر کے یہاں لایا جائے۔"

شہزادے نے بابا جانی کے حکم کی تعمیل کی' سپہ سالار کو حکم دیا کہ لشکر کو منظم کیا جائے۔ کل صبح یہاں سے کوچ کیا جائے گا۔"

مان بائی اپنے بیٹے خسرو کے باغیانہ رویے پر صدمے سے ٹوٹ رہی تھی۔ رو رہی تھی۔ اس نے سلیم سے کہا۔ "وہ ہمارا بیٹا ہے۔ نادان ہے۔ لشکر کشی سے پہلے اسے سمجھانا چاہئے۔"

شہزادے نے کہا۔ "ہم اسے سمجھانے کا فرض ادا کر چکے ہیں۔ وہ بغاوت سے باز نہیں آئے گا۔"

مان بائی نے کہا۔ "ہمیں ایک موقع دیں۔ ہم بیٹے کو جا کر سمجھائیں گے۔"

"بے شک۔ تم آج ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ اچھا ہے' خون خرابہ نہ ہو اور بیٹا معافی مانگنے کے لئے ہمارے سامنے حاضر ہو جائے۔"

آپ اسے کوئی سخت سزا تو نہیں دیں گے؟"

"ہرگز نہیں۔ وہ ہمارا بھی لخت جگر ہے۔ صرف ہم ہی نہیں۔ بابا جانی بھی اسے معاف کر دیں گے۔ اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔"

شاہ بیگم (مان بائی) اپنے بیٹے خسرو سے ملنے کے لئے دہلی سے روانہ ہو گئی۔ شہزادہ سلیم اگرچہ بادشاہ اکبر کی بیماری اور سلطنت کے اہم کاموں میں مصروف تھا۔ لیکن دل سے

مہر النساء نہیں گئی تھی۔اس کے ذہن کے ایک گوشے میں یہ بات تھی کہ بابا جانی بستر علالت پر ہیں۔کسی دن بھی اس دنیا سے رخصت ہو سکتے ہیں۔تب تاج و تخت اپنا ہوگا۔حکومت اپنی ہو گی۔پھر مہر النساء کو حاصل کرنا ہمارے لئے بہت آسان ہو جائے گا۔

وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شادی کے بعد بھی مہر النساء اس کی طرف مائل ہے یا نہیں؟ ویسے وہ مائل ہو یا نہ ہو۔وہ تخت پر بیٹھ کر اسے جبراً حاصل کر سکتا تھا۔لیکن ایک عاشق کے حیثیت سے اس کا دل جیتنا چاہتا تھا۔اس نے ایک خط لکھ کر بڑی راز داری سے مہر النساء کو ارسال کیا۔اس نے لکھا۔"مہر النساء...! جانِ سلیم !تم پرائی ہو چکی ہو۔ہم سے بہت دور جا چکی ہو۔اس کے باوجود دل سے نہیں جا سکیں۔نہ ہی کبھی جا سکو گی۔

ہم اپنی تخت نشینی اور تاج پوشی کے بعد سب سے پہلے تمہارا مطالبہ کریں گے اور تمہیں ہر حال میں حاصل کریں گے۔لیکن یہ جبر ہوگا۔ہم اب تک تمہارے لئے صبر کر رہے ہیں، یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تمہارا دل آج بھی ہمارے لئے دھڑکتا ہے یا نہیں؟ ہم ایک بادشاہ کی حیثیت سے نہیں ایک عاشق کی حیثیت سے بڑے پیار کے ساتھ تمہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

بس ایک بار کہہ دو کہ تم آج بھی ہماری ہو، اور کل بھی ہماری رہو گی۔"

فقط ایک نامراد عاشق

ولی عہد شہزادہ سلیم......"

مہر النساء کے عزائم بہت بلند تھے۔وہ شروع ہی سے ملکہ عالیہ بننے کے خواب دیکھتی رہی تھی اور تدابیر کرتی رہی تھی۔لیکن حالات نے اسے شیر افگن کی زوجہ بنا دیا تھا۔وہ خود چاہتی تھی کہ تقدیر کسی طرح ایک بار پلٹا کھائے اور وہ پھر سے شاہی حرم میں پہنچ جائے۔

وہ شیر افگن کا برا بھی نہیں چاہتی تھی۔ایک شریک حیات کی حیثیت سے اس سے راضی تھی۔ایک بیوی کی بھرپور محبتیں دے رہی تھی۔اپنے طور پر فرمانبردار تھی۔لیکن انسان اکثر دوہری کیفیات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔برسوں کے خواب اور خواہشیں اسے اپنی طرف کھینچتی رہتی ہیں۔

ہر دور میں لوگ ستاروں کی چال کو مانتے ہیں اور نجومیوں کی پیشگوئی پر بھروسہ کرتے ہیں۔تین نجومیوں نے مہر النساء کے باپ مرزا غیاث الدین سے کہا تھا۔" آپ کی صاحبزادی توقع سے زیادہ عروج حاصل کرے گی۔وہ حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔کسی کے زیر اثر رہ کر زندگی گزارنے والیوں میں سے نہیں ہے۔"

مہر النساء کسی قدر مایوس ہو رہی تھی۔کیونکہ وقت گزرتا جا رہا تھا۔وہ ایک بیٹی کی ماں بن چکی تھی اور نجومیوں کی پیشگوئی درست ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ایسے ہی وقت شہزادے کا لکھا ہوا خفیہ محبت نامہ اس کے ہاتھوں میں پہنچا۔اسے پڑھتے ہی دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔مایوسی ختم ہو گئی۔حوصلے پھر سے بلند ہونے لگے۔

ایسے وقت ذہن میں سوال پیدا ہوا' کیا اسے شہزادے کی محبت کا جواب محبت سے دینا چاہئے؟ کیا اپنے شوہر سے بیوفائی کرنی چاہئے؟

مہر النساء کو مشرقی شرم و حیا کا پاس تھا۔وہ شیر افگن کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔دوسری طرف اس کی دانشمندی کہہ رہی تھی کہ نہ جانے آئندہ حالات کیا ہوں؟ شہزادے نے یہ درست لکھا تھا کہ وہ بادشاہ بننے کے بعد اسے جبراً حاصل کر سکتا ہے۔ایسے وقت ایک عورت کر ہی کیا سکتی ہے؟ جو بھی شہزور اس کے گلے میں رسی ڈال کر جدھر لے جاتا ہے وہ ادھر چل پڑتی ہے۔لہذا دانشمندی یہ ہے کہ شوہر سے وفا بھی کی جائے اور شہزادہ سلیم کو ناراض بھی نہ کیا جائے۔

اس نے موجودہ حالات اور خیالات کے مطابق جواب لکھا۔" صاحب عالم کا اقبال بلند رہے۔آپ نے درست فرمایا ہے۔ہم پرائے ہو چکے ہیں۔ہماری حیا اور وفا کا تقاضہ ہے کہ ہم اپنے مجازی خدا کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچنے دیں۔

ہم نہیں جانتے کہ آئندہ ہمارے حالات کیا ہوں گے؟ تقدیر ہمیں کس سمت لے جائے گی؟ عورت تو پانی کی طرح ہوتی ہے۔اسے کٹورے میں ڈالو تو دائرہ نما ہو جاتی ہے۔کسی صراحی میں ڈالو تو وہ صراحی دار بن جاتی ہے۔مرد کا نصیب کاتب تقدیر لکھتا ہے اور عورت کا نصیب مرد حضرات لکھتے ہیں۔زر، زمین اور زن یہ تین چیزیں ہمیشہ شہزور کے قبضے میں رہتی ہیں۔اس کے آگے نہ ہم کچھ جانتے ہیں، نہ کچھ کہہ سکتے ہیں۔

خدا آپ کو سلامتی دے۔

سلامتی کی خواہشمند مہر النساء...."

مہر النساء کا یہ خط پڑھ کر شہزادے کے دل کو اطمینان حاصل ہوا۔اگرچہ اس نے یہ نہیں لکھا تھا کہ آج بھی وہ شہزادے کی طرف مائل ہے۔لیکن یہ حقیقت بیان کی تھی کہ دولت' زمین اور عورت شہزور کے قبضے میں رہتی ہے۔مہر النساء پر جس شہزور کا قبضہ ہوگا۔وہ اسی کے برتن میں ڈھل جائے گی۔

مہرالنساء کی ذہانت اوراس کے گفتگو کے انداز نے ہمیشہ شہزادے کو متاثر کیا تھا۔ وہ خط بھی اس کی ذہانت کی عکاسی کر رہا تھا۔ اس نے کھل کر یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ اس کی طرف مائل ہے۔ اس نے خود کو وفا شعار شریک حیات بھی ثابت کیا تھا۔ اور یہ بھی تاثر دیا تھا کہ اگر وہ شہزور ہے تو آئندہ وہ اسی کے قبضے میں رہے گی۔

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا..... باپ کی بیماری کے باعث اُمورِ سلطنت کا سارا بوجھ اس پر آ پڑا تھا۔ وہ صبح سے شام تک حکومتی معاملات میں مصروف رہا کرتا تھا۔ شاہ بیگم اپنے بیٹے خسرو کو منانے کے لئے اس کے پاس آ گئی تھی۔ اسے سمجھا رہی تھی کہ مناسب وقت پر اسے ضرور تخت پر بٹھایا جائے گا۔ فی الوقت اسے ایسا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔

اس نے کہا۔ ''میرا مطالبہ مناسب ہے۔ ہمارے دادا پردادا نے بہت کم عمری میں تخت نشین ہو کر حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔ میں بھی سنبھال سکتا ہوں۔''

ماں نے کہا۔ ''بیٹے وقت اور حالات کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اور حالات ایسے ہیں کہ تمہارے دادا حضور کے بعد ابا حضور (شہزادہ سلیم) کو بادشاہ بنایا جائے گا۔ اس کے بعد ہی تمہاری باری آئے گی۔''

''پتہ نہیں۔ وہ وقت کب آئے گا؟ بڑھاپے میں بادشاہ بننے اور حکومت کرنے کا کیا خاک مزہ آئے گا؟''

پھر وہ سینہ تان کر بولا۔ ''معلوم ہوتا ہے' انہیں ہماری لشکری قوت کا اندازہ ہو گیا ہے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی ہے کہ جنگ چھیڑی گئی تو انہیں شکست فاش ہو گی۔ وہ شکست کھانا اور ذلیل ہونا نہیں چاہتے۔ اس لئے ہمیں سمجھانے کے لئے آپ کو یہاں بھیجا ہے۔''

ماں نے پریشان ہو کر کہا۔ ''تمہاری سوچ الٹی ہے۔ سیدھی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ ہماری بات مان لو۔ اپنے باپ دادا کے قدموں میں رہو۔ ہم سے طعنے برداشت نہیں ہوتے۔ محل میں جو مسلمان سوکنیں ہیں۔ وہ ہمیں طعنے دیتی ہیں کہ ہم پیدائشی مسلمان نہیں ہیں۔ ہم نے ملکہ بننے کے لئے اپنا دھرم بدل دیا ہے۔ جبکہ خدا بہتر جانتا ہے' ہم نے سچے دل سے اسلام قبول کیا ہے۔ اگر تم بغاوت سے باز نہ آئے تو ہمیں مزید طعنے ملیں گے کہ ہم نے شاہی خاندان میں آ کر ایک باغی بیٹے کو جنم دیا ہے۔ اب ہم اور طعنے برداشت نہیں کریں گے۔ تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم اپنی جان دے دیں گے۔''

خسرو اپنے باپ کی طرح ضدی اور سر پھرا تھا۔ اس کے ماموں مان سنگھ نے ایسے سبز باغ دکھائے تھے کہ اسے آنکھوں کے سامنے دہلی کا تخت و تاج دکھائی دے رہا تھا۔ ایسے میں وہ باپ دادا اور ماں کی نصیحتیں سننے والا نہیں تھا۔ سمجھانے منانے اور صلح جوئی کے تمام راستے ختم ہو چکے تھے۔ لہٰذا اس پر لشکر کشی کی گئی۔

لشکر اکبری کا مقابلہ کرنا بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ اس لشکر میں انتہائی تربیت یافتہ جنگجو سپاہی تھے۔ جو برسوں سے کئی جنگیں لڑتے آئے تھے۔ پھر یہ کہ سپاہیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ اسلحہ اور بارود کی کمی بھی نہیں تھی۔ صبح جنگ شروع ہوئی تو شام ہوتے ہوتے خسروئی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سپاہی تتر بتر ہو گئے۔ سب ہی اپنی سلامتی کے لئے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔

خسرو نے یہ منظر دیکھا تو بددل ہو گیا۔ پریشان ہو کر سوچنے لگا' اگر وہاں ٹھہرے گا تو شامت آ جائے گی۔ اب تک وہ شہزادہ کہلاتا رہا۔ گرفتار ہو گا تو بری طرح ذلت اٹھائے گا۔ ایک جنگی قیدی کی طرح اس کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اس کے باپ دادا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

وہ گرفت میں آنے سے پہلے ہی فرار ہو گیا۔ ولی عہد سلیم نے اپنے لشکر کے ایک دستے کو حکم دیا کہ خسرو کا تعاقب کیا جائے۔ وہ جہاں بھی پناہ لے وہاں سے گرفتار کر کے اسے جہاں پناہ جلال الدین اکبر کے حضور پیش کیا جائے۔

شہزادہ سلیم اپنے بیٹے کے تعاقب میں نہیں گیا۔ ایسے وقت خبر ملی کہ جلال الدین اکبر کا تیسرا بیٹا شہزادہ دانیال وفات پا چکا ہے۔ اکبر کو پے در پے صدمات پہنچ رہے تھے اور وہ بستر علالت پر ٹوٹ رہا تھا۔ صدمات برداشت نہیں ہو رہے تھے اور بیماری اسے توڑتی جا رہی تھی۔

شہزادہ سلیم باپ کی عیادت اور اس کی دل جوئی کے لئے حاضر ہونا چاہتا تھا۔ لیکن اسے اطلاع ملی کہ شاہ بیگم اپنے بیٹے خسرو کے محل میں آنے کے بعد اب کبھی اپنے مجازی خدا شہزادہ سلیم کے پاس واپس نہیں آ سکے گی۔ وہ کسی طرح کے طعنے سننے سے پہلے ہی ابدی نیند سو چکی ہے۔

سلیم نے مفرور بیٹے کے محل میں آ کر دیکھا۔ اس کی شریک حیات شاہ بیگم ایک خواب گاہ میں مردہ پڑی ہوئی تھی۔ پتہ چلا اس نے ڈھیر ساری افیون کھالی تھی۔ اس کا لکھا ہوا آخری خط شہزادے کو پیش کیا گیا۔ اس نے اسے کھول کر پڑھا۔

اس میں لکھا تھا۔ ''الحمدللہ... ہم مسلمان ہیں اور مرنے سے پہلے کلمہ ضرور پڑھیں

گے۔ لیکن ہماری رگوں میں راجپوتی خون ہے۔ ہماری گھٹی میں غیرت اور شرم وحیا ہے۔ ہم ایک باغی بیٹے کو جنم دینے کا طعنہ برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس دنیا سے جا رہے ہیں۔

ہم سے جانے انجانے میں جو بھی غلطیاں ہوئی ہوں' آپ انہیں معاف کر دیں۔ ہماری دعا ہے' خدا آپ کو طویل عمر دے اور آپ کے سر پر بادشاہت کا تاج رہے۔ ہم نامراد جا رہے ہیں۔ خدا حافظ۔"

اس تحریر کے نیچے مان بائی شاہ بیگم کا نام لکھا ہوا تھا۔ شہزادے نے بڑے دکھ سے مرحومہ کو دیکھا۔ پھر حکم دیا کہ نہایت عزت واحترام سے شاہ بیگم کی آخری رسومات ادا کی جائیں۔

وہ شاہ بیگم کی تدفین کے بعد اپنے بابا جانی کے پاس آیا۔ پھر شہزادہ دانیال کی وفات کے سلسلے میں تعزیت کی۔ "بابا جانی! آپ زیادہ صدمات کو دل میں جگہ نہ دیں۔ آپ کا ایک بیٹا اللہ کو پیارا ہو گیا ہے۔ ابھی ہم دو ہیں۔ ایک ہم ہیں اور ایک شہزادہ مراد۔ ہم دونوں کو دیکھ کر آپ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہیں اور صبر کریں۔"

جلال الدین اکبر نے شاہ بیگم کے سلسلے میں تعزیت کی۔ "تم ایک نہایت شریف اور نیک شریک حیات سے محروم ہو چکے ہو۔ ہماری بہو شاہ بیگم بہت سی خوبیوں کی حامل تھی۔ خدا اس نیک بی بی کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔"

دنیا میں جینا مرنا لگا رہتا ہے۔ جو مر گئے' سو مر گئے اور جو جیتے ہیں' وہ کبھی کڑوا گھونٹ اور کبھی امرت رس پیتے ہیں۔ اگر کھانے کی ایک قاب ختم ہو جائے تو دوسری قاب پر منہ مارنا ہی پڑتا ہے۔ حرم سے ایک بیگم ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتی ہے تو دوسری آ جاتی ہے۔

سلیم کو مہرالنساء سے عشق تھا۔ یہ عشق کا معاملہ اپنی جگہ تھا اور حسن پرستی اور عیاشی ایک الگ معاملہ تھا۔ شہزادہ دانیال جس نے وفات پائی۔ وہ اکبر کا تیسرا بیٹا اور سلیم کا سوتیلا بھائی تھا۔ اس کی بیوی نہایت ہی حسین وجمیل تھی۔

اس کو دیکھتے ہی شہزادہ سلیم کا دل ڈانوا ڈول ہو گیا تھا۔ لیکن وہ کسی سے حال دل بیان نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ حسینہ شاہی خاندان کی بہو تھی۔ وہ اپنی شاہی قوتوں اور اختیارات کو کام میں نہیں لا سکتا تھا۔ لہٰذا اپنی ایک مطلوبہ سے محروم رہا اور صبر کرتا رہا۔

بھائی کی وفات کے بعد وہ اس کی بیوہ کو طلب کر سکتا تھا۔ اس نے حاکمانہ انداز میں پیغام بھیجا کہ عدت کے ایام گزارنے کے بعد ہمارے نکاح میں آ جاؤ۔

وہ حسین بیوہ اپنے مرحوم شوہر دانیال کو دل وجان سے چاہتی تھی۔ اس کے بعد اپنے حسن وشباب کو کسی اور کے حوالے کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے جواب دیا۔ "صاحب عالم! ہمیں طلب نہ کریں۔ ہمارا خیال دل سے نکال دیں۔"

شہزادے نے کہا۔ "ہم تمہاری بات مان لیتے مگر یہ کم بخت دل ہی تو ہے جو ہماری نہیں مانتا۔ یہ تمہاری ہی آرزو کرتا رہے گا۔ لہٰذا ہماری آرزو پوری کرو۔"

وہ بولی۔ "ہمارا مزاج ایسا نہیں ہے کہ ایک کے بعد دوسرے کی خلوت میں آئیں۔ آپ ہماری شرم وحیا کا لحاظ کریں۔"

"تنہا عورت عزت آبرو سے نہیں رہ پاتی۔ اگر اس کا ایک محافظ نہ رہے تو اسے شرم وحیا کا دوسرا محافظ بنانا ہی پڑتا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "آخر ہم میں ایسی کیا بات ہے کہ آپ ہمارے حصول کے لئے بے قرار ہو رہے ہیں؟"

شہزادے نے کہا۔ "ہم نے تمہیں بارہا دور ہی دور سے دیکھا ہے۔ جب تمہاری ریشمی زلفیں لہراتی ہیں تو یوں لگتا ہے' وہ ہمارے شانوں پر بکھر گئی ہیں۔ تمہاری مسکراہٹ سب سے جدا ہے۔ مسکراتے وقت تمہارے سفید چمکدار دانت دُرِ عدن دکھائی دیتے ہیں۔ ہم تمہارے تبسم کو اور گیسوؤں کو اپنے نام کرنا چاہتے ہیں۔"

اس حسین بیوہ نے کچھ سننے کے بعد کہا۔ "اچھی بات ہے۔ ہمیں سوچنے کا موقع دیں۔ کل آپ کو جواب مل جائے گا۔"

شہزادہ جب کوئی چیز طلب کرتا تھا تو اس کے حصول تک بہت ہی بے قرار رہتا تھا۔ اس نے وہ دن بڑی بے قراری میں گزارا۔ رات کو عیش وطرب میں خود کو گم کرتا رہا۔ دوسرے دن وہ حسین بیوہ زرق برق لباس پہنے گھونگھٹ نکالے اس کے سامنے حاضر ہو گئی۔ اس کے پیچھے دو خادمائیں تھیں۔ ایک خادمہ کے سر پر بڑا سا تھال رکھا ہوا تھا۔

شہزادے نے پوچھا۔ "آج یہ گھونگھٹ نکال کر کیوں آئی ہو؟"

گھونگھٹ کے پیچھے سے کہا گیا۔ "ہم آپ کے لئے نایاب تحفہ لائے ہیں۔ پہلے اسے قبول کریں۔ پھر یہ گھونگھٹ اٹھ جائے گا۔"

خادمہ نے شہزادے کے آگے اس تھال کو رکھا۔ پھر اوپر سے خوان پوش کو ہٹایا تو

شہزادے نے سوالیہ نظروں سے اس تختے کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

اس تھال میں ریشمی زلفیں رکھی ہوئی تھیں اور دُرِ عدن کہلانے والے دانت بھی دکھائی دے رہے تھے۔ اس بیوہ نے کہا۔ "آپ ہمارے دانتوں اور ریشمی زلفوں پر عاشق تھے۔ ہم نے آپ کو مایوس نہیں کیا ہے۔ آپ کی مطلوبہ چیزیں حاضر خدمت ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے گھونگھٹ کو الٹا تو شہزادہ سلیم اسے دیکھ نہ سکا۔ سر مُنڈا ہوا تھا اور منہ پوپلا ہو گیا تھا۔ حسن اور اس کی کشش نابود ہو گئی تھی۔ وہ جو حسین محل تھی۔ کھنڈر بن چکی تھی۔

بگڑی ہوئی صورت دیکھی نہیں جاتی۔ شہزادہ پہلے تو ایک ذرا شرمندہ ہوا پھر جھنجلا کر اس تھال کو پھینکتے ہوئے، چیختے ہوئے بولا۔ "چلی جاؤ یہاں سے..... دفع ہو جاؤ....."

وہ سر جھکا کر اپنی شاہی رہائش گاہ میں چلی آئی۔ دل کو اطمینان ہوا کہ حسن نہ سہی۔ کوئی کشش نہ سہی۔ عزت آبرو تو محفوظ رہے گی۔

☆☆☆☆☆

شہزادہ سلیم میں جہاں بہت سی خرابیاں تھیں۔ وہاں بہت سی خوبیاں بھی تھیں۔ اگرچہ وہ عیاش تھا۔ لیکن دین وایمان میں پختہ تھا۔ اس نے باپ کے دین الٰہی کی مخالفت کی تھی۔ جو خوشامدی مصاحبین اور عہدیدار اس دین کے فروغ کے لئے پیش پیش رہتے تھے۔ وہ انہیں بڑی رازداری سے قتل کر دیتا تھا، یا قتل کرا دیتا تھا۔ اس نے اکبر بادشاہ کے سب سے اہم دست راست وزیر و مشیر ابوالفضل کو بھی قتل کرا دیا تھا۔

اس نے مہرالنساء کے عشق میں مبتلا ہو کر باپ سے بغاوت کرنے کی غلطی کی تھی۔ لیکن ماں کے سمجھانے سے عقل آ گئی تھی اور اس نے بغاوت سے باز آ کر باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا تھا۔

انسانی تاریخ میں یہ ہوتا آیا ہے کہ تاج وتخت حاصل کرنے کے لئے بھائی بھائی کو اور بیٹا باپ کو قتل کرتا آیا ہے۔ لیکن شہزادہ سلیم کو تاج وتخت سے زیادہ اپنے ماں باپ عزیز تھے۔ اس نے اقتدار حاصل کرنے کی ہوس میں کبھی اپنے بابا جانی کے خلاف کوئی منصوبہ نہیں بنایا۔

اسے سابق سلاطین کی عمارات دیکھنے کا شوق پیدا ہوا تو وہ بادشاہوں کے مقبروں کو دیکھنے گیا۔ وہاں سلطان نصیرالدین ابن سلطان غیاث الدین کی قبر بھی دیکھی۔ سلطان نصیرالدین کے متعلق ایک واقعہ یوں ہے کہ اس نے تاج وتخت حاصل کرنے کے لئے اپنے باپ کو اسی برس کی عمر میں تین مرتبہ زہر دینے کی کوششیں کیں۔

بوڑھے غیاث الدین نے دو بار اپنے بازو پر بندھے ہوئے زہر مہرے کو کھول کر زہر کے مضر اثرات کو ختم کیا تھا۔ تیسری بار نالائق بدبخت بیٹے نصیرالدین نے خود سامنے آ کر شربت کے پیالے میں زہر ملا کر باپ کو پیش کیا تھا۔

غیاث الدین نے اس پیالے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "شاباش بیٹے! ماں باپ پیدا کرتے ہیں اور پرورش کرتے ہیں۔ اس قابل بناتے ہیں کہ تم حکمران بن سکو اور تم حکمران بننے کے لئے باپ کو اپنے ہاتھوں سے زہر پلا رہے ہو؟"

بیٹے نے کہا۔ "انتظار کی ایک حد ہوتی ہے۔ آپ اسی برس کے ہو چکے ہیں۔ مرنے کا نام نہیں لیتے۔ خدا کے لئے اس دنیا سے جائیں اور ہمارے لئے جگہ خالی کریں۔"

"ہمارے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تمہارے لئے تخت وتاج چھوڑ دیں گے۔ تمہاری بادشاہت کا اعلان کریں گے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں۔ آپ زندہ رہیں گے تو آپ کی دوسری اولاد اور دوسری بیگمات ہمارے خلاف سازشیں کریں گی۔ آپ کے مرتے ہی ان میں سے کسی کو ہمارے خلاف آواز اٹھانے کی جرات بھی نہیں ہو گی۔"

اس نے باپ کے آگے زہر کا پیالہ رکھتے ہوئے اپنی تلوار نکالی۔ پھر پوچھا۔ "آپ کیا چاہتے ہیں، خودکشی یا قتل...؟"

بوڑھے سلطان غیاث الدین نے سر جھکا کر کہا۔ "اے خدا...! ہمارے نصیب میں بیٹے کے ہاتھوں ایسی ہی موت لکھی ہے تو یہی سہی۔ ہم تیری بارگاہ کی طرف لوٹ رہے ہیں اور آخری دعا کرتے ہیں کہ ہماری ہلاکت کو طبعی موت میں شمار کر کے ہمارے بیٹے کی اس غلطی کو معاف کر دینا۔"

پھر وہ زہر کا پیالہ اٹھا کر اسے ایک ہی سانس میں پی گیا اور جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ باپ کی وفات کے بعد نصیرالدین نے اڑتالیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھ کر اپنی تاج پوشی کرائی۔

اس نے مصاحبوں اور خاص درباریوں سے کہا۔ "ہم اپنے باپ کی زندگی میں تیس برس تک دشمنوں سے برسرپیکار رہے۔ اب ہمیں ملک گیری کی ہوس نہیں ہے۔ ہم باقی زندگی عیش وعشرت میں گزاریں گے۔"

پھر عیش وعشرت کی انتہا نہ رہی۔اس نے پندرہ ہزار عورتوں سے ایک شہرِ حُسن آباد کیا۔اسے جہاں کہیں کسی حسین عورت کے متعلق خبر ملتی تو وہ اسے راضی خوشی اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیتا۔وہ نہ آتی تو جبراً اسے اٹھالیا جاتا۔وہ بیس برس تک عیش وعشرت میں ڈوبا رہا۔اس نے کسی دشمن پر حملہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی دشمن نے اس پر حملہ کیا۔

سلطان نصیرالدین کو گرمی برداشت نہیں ہوتی تھی۔گرمی کی حدّت کو کم کرنے کے لئے وہ اکثر پانی میں بیٹھا رہتا تھا۔اس نے ایک روز شباب وشراب کی مستی میں آکر گہرے حوض میں چھلانگ لگا دی۔محل کے ملازموں نے اسے بچانے کی کوششیں کیں۔ایسے وقت اس کے سر کے بال ایک ملازم کے ہاتھوں میں آگئے۔وہ اسے بالوں سے پکڑ کر باہر نکال لایا۔

جب اسے ہوش آیا تو خدمت گاروں سے یہ سن کر طیش میں آگیا کہ ایک ملازم نے اس کے سر کے بالوں کو پکڑا تھا۔اس سے یہ توہین برداشت نہ ہوسکی۔اس نے غصے میں آکر ملازم کو طلب کیا۔پھر حکم دیا کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔

وہ بیچارہ نیکی کر کے دونوں ہاتھوں سے محروم ہوگیا۔دوسری بار اتفاقاً ویسا ہی حادثہ پیش آیا۔وہ پھر نشے کی ترنگ میں حوض کے اندر گر پڑا۔اس کے آس پاس کئی ملازم تھے۔اسے بچاسکتے تھے۔لیکن کسی نے اسے پانی سے باہر نکالنے کی جرات نہیں کی۔سب ہی کو اپنی جان عزیز تھی۔اس لئے وہ پانی میں ڈوب کر اپنی جان سے گیا۔

شہزادہ سلیم نے جب اس کی قبر دیکھی تو اس واقعے کو ایک سو دس سال گزر چکے تھے۔اب سے پہلے شیر خاں افگن بھی سلطان نصیرالدین کی قبر پر آیا تھا۔اس نے اپنے آدمیوں سے کہا تھا کہ جو بیٹا اپنے باپ کو زہر دے کر بدترین فعل کا مرتکب ہوا ہے۔اس کی قبر پر ڈنڈے برسائے جائیں۔

اس حکم کے مطابق قبر پر ڈنڈے برسائے گئے تھے۔شہزادہ سلیم نے اس کی قبر پر آکر ٹھوکریں ماریں۔پھر حکم دیا کہ اس کی سڑی گلی ہڈیوں کو قبر سے نکال کر جلا دیا جائے۔

پھر اس نے سوچا' اس بدبخت کو جلا دینے سے اس کے عذاب میں کمی ہوجائے گی۔یہ اپنی زندگی میں پانی میں بیٹھ کر ٹھنڈک حاصل کیا کرتا تھا۔لہٰذا اسے دنیا میں ٹھنڈک ملتی رہے گی تو وہاں جہنم میں جلتا رہے گا۔

اس نے حکم دیا۔''اس بدبخت کو قبر سے نکالا جائے۔اور دریائے نربدا میں پھینک دیا جائے۔''

یہ حکم دے کر اس نے وضو کیا۔پھر نماز ادا کرنے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔''یا خدا...! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔تو نے ہمارے دل میں اقتدار کی ہوس پیدا نہیں کی اور ہمیں اپنے والدین کا مطیع اور فرمانبردار بنایا ہے۔ہم انسان ہیں۔ہمارے اندر بہت سی برائیاں ہوسکتی ہیں۔مگر ہمیں آئندہ بھی والدین کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔آمین۔''

ایک بار شہزادہ سلیم کشمیر کی سیر کے لئے گیا۔وہاں موضع بھٹ کے مناظر دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔اس مقام پر سبزہ اور پھولوں کی اتنی کثرت تھی کہ دور تک زمین نظر نہیں آتی تھی۔حدِ نظر تک سبزہ ہی سبزہ اور پھول ہی پھول دکھائی دیتے تھے۔

وہاں حضرت سلطان زین العابدین نے باون سال تک حکومت کی تھی اور بدوشاہ کلاں کے نام سے مشہور اور معروف تھا۔

بدوشاہ کلاں نہایت ہی دیندار اور عبادت گزار تھا۔دن رات عبادت میں مشغول رہا کرتا تھا۔ایک دن اس کا بیٹا اس کے قتل کے ارادے سے وہاں آیا۔مگر باپ کے جاہ وجلال کو دیکھ کر ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔

باپ نے جائے نماز سے اٹھ کر پوچھا۔''بیٹے! اقتدار کی ہوس کیوں ہے؟ کیوں مناسب وقت کا انتظار نہیں کرتے؟ انسان پر وقت کی پابندی ہے۔وہ اپنے وقت کے مطابق پیدا ہوتا ہے۔وقت کے مطابق صدمات سہتا اور خوشیاں حاصل کرتا ہے اور ٹھیک وقت کے مطابق اسے موت آتی ہے۔''

وہ اپنے حجرے سے نکلتے ہوئے بولا۔''آؤ بیٹے! ذرا دریا کی سیر کریں۔''

وہ دونوں کشتی میں آکر بیٹھ گئے۔ایسے وقت باپ نے کہا۔''ہم اپنی تسبیح حجرے میں بھول آئے ہیں۔جاؤ...اسے لے آؤ۔''

جب بیٹا تسبیح لینے حجرے میں آیا تو وہاں باپ کو عبادت میں مشغول دیکھ کر حیران رہ گیا۔ایسی کرامت دیکھ کر اس کے قدموں میں گرتے ہوئے معافی کا طلب گار ہوا۔کشمیر کے مضافاتی علاقے میں بدوشاہ کلاں کے متعلق کئی اور کرامات مشہور ہیں۔

اس کے تین بیٹے آدم خان، حاجی خان اور بہرام خان اقتدار حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑا کرتے تھے۔اس نے تینوں کو بلا کر کہا۔''تم سب ہماری موت کے منتظر ہو۔اور

ہمارے لئے زندگی میں کوئی کشش نہیں ہے۔ مرنا بہت آسان ہے۔ جاؤ.....اور انتظار کرو۔ چالیس دن کے بعد ہم اپنے معبود کی طرف واپس چلے جائیں گے۔"

چالیس دنوں کے بعد یہی ہوا۔ اس کی طبعی موت واقع ہوئی۔ اس نے بیٹوں سے کہہ دیا تھا۔" ہمارے بعد تم سب حکومت پر زیادہ عرصے تک قابض نہیں رہ سکو گے۔ آپس میں ہی لڑکر مرجاؤ گے۔"

اور یہی ہوا تھا۔ وہ سب آپس میں لڑکر ختم ہو گئے۔ تخت اور تاج کسی کام نہ آیا اور انہوں نے اپنے پیدا کرنے والے باپ کو بھی گنوا دیا۔

ان تمام تاریخی واقعات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ شہزادہ سلیم بچپن ہی سے عیش و طرب میں رہنے کے باعث گمراہ ہو گیا تھا۔ اسے حسن و شباب کی ہوس تھی۔ اقتدار کی ہوس نہیں تھی۔ اس لئے وہ اپنے بابا جانی کا مطیع و فرمانبردار تھا اور والدین کے حقوق کما حقہٗ ادا کرتا تھا۔ عجیب متضاد مزاج رکھتا تھا۔ کبھی تو اس قدر ظالم ہو جاتا تھا کہ زندہ انسانوں کی کھالیں کھنچوا دیتا تھا۔ کبھی اس قدر رحم دل ہو جاتا تھا کہ جانوروں پر بھی ترس کھاتا تھا اور انہیں پوری طرح تحفظ دیا کرتا تھا۔

وہ ایک بار شکار کھیلتا ہوا ایک گاؤں میں پہنچا۔ وہاں اس نے دو دنوں تک قیام کیا۔ اس کے خواجہ سراؤں نے وہاں سارس کے دو بچے پکڑ لئے تھے۔ جہاں شہزادے نے پڑاؤ کیا تھا۔ وہاں اس کا غسل خانہ تالاب کے کنارے پر تھا۔ یہ عجیب سی بات دیکھنے میں آئی کہ جس طرح مظلوم رعایا بادشاہ کے دربار میں آکر فریاد کرتے ہیں۔ اسی طرح سارس کا ایک جوڑا اس غسل خانے کے قریب آکر طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگا۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ مظلوموں کی طرح فریاد کررہے ہیں۔

شہزادے نے معلوم کیا کہ ان کے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے؟ پتہ چلا کہ خواجہ سراؤں نے ان کے دو بچے پکڑ لئے ہیں۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ بچے انہیں واپس دیئے جائیں۔

جب وہ بچے ان کے پاس پہنچائے گئے تو وہ خوشی خوشی انہیں لے کر وہاں سے اڑ گئے۔ ایسے وقت شہزادے کو اپنے اندر روحانی مسرتوں کا احساس ہوا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس ضدی اور سر پھرے شہزادے کے اندر انسانیت بھی تھی۔ وہ مظلوموں کی فریاد سنتا تھا اور ان سے انصاف کرتا تھا۔ ہندوستان میں خواجہ سرا بنانے کی رسم عام ہو

گئی تھی۔ صرف غریب ماں باپ ہی نہیں' امیر کبیر والدین بھی اپنے لڑکوں کو شاہی حرم سرا میں پہنچانے کے لئے خواجہ سرا بنا دیا کرتے تھے۔ وہاں خدمت گزاری کے صلے میں اچھی خاصی رقم بھی ملتی تھی اور ان بچوں کے ذریعے دربار شاہی تک والدین کی رسائی ممکن ہو جاتی تھی۔

خواجہ سرا بنانے کی رسم بہت ہی ظالمانہ تھی۔ جو بچے اذیتیں برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ وہ اپنی جان سے جاتے تھے۔ شہزادے نے بادشاہ بننے کے بعد اس رسم کی سختی سے ممانعت کی تھی۔ اپنے صوبیداروں اور ماتحت حاکموں کو فرمان جاری کیا تھا کہ اس اصول کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔ تاکہ آہستہ آہستہ یہ رسم ختم ہو جائے۔

اس نے ایک بہت ہی وسیع و عریض چڑیا گھر قائم کیا تھا۔ جس کا نام ہرن گھر رکھا گیا تھا۔ وہاں چیتے شیر اور شیرنیاں پالی جاتی تھیں۔ کئی نسل کے ہرن اور بندر تھے۔ طرح طرح کے رنگ برنگے پرندے بھی چہچہاتے رہتے تھے۔

شہزادہ اس قدر ہوس پرست تھا کہ وہ جانوروں کے بھی جسمانی اتصال کا نظارہ کیا کرتا تھا۔ اس نے اپنی تُزک میں لکھا ہے۔" ہمارے شاہی چڑیا گھر میں ایک جوڑا سارس کا ہے۔ جس کا نام لیلیٰ مجنوں ہے۔ ایک روز ایک خواجہ سرا نے آکر عرض کی کہ سارس کے اس جوڑے نے جفتی کی ہے۔

یہ سن کر ہم نے حکم دیا' آئندہ ایسا موقع آئے تو ہمیں اطلاع دینا۔ اس نے علی الصباح آکر پھر عرض کی کہ سارس کا جوڑا اب دوبارہ جفتی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ تماشہ دیکھنے کے لئے ہم فوراً اس جگہ پہنچ گئے۔"

شہزادے نے آگے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ اس نے نر مادہ کو کن حالات میں دیکھا ہے۔ اٹھارہ عدد بیگمات اور بے شمار کنیزیں رکھنے والے شہزادے کی ہوس پرستی نہیں جاتی تھی۔ وہ شیر اور شیرنی اور دوسرے جانوروں کا بھی اسی طرح نظارہ کیا کرتا تھا۔

یہ عجیب بات تھی کہ ایسا ہوس پرست ایک مہرالنساء کا دیوانہ ہو گیا تھا۔ آئندہ پیش آنے حالات نے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی مہرالنساء کے جسم کا بھوکا نہیں تھا۔ اس کی شخصیت سے متاثر تھا اور ساری زندگی اس سے متاثر ہو کر اسی کے زیر اثر رہنے لگا تھا۔

مہرالنساء کی محبت کے حوالے سے وہ سارس نر اور مادہ کی محبت اور قربت سے بہت متاثر تھا۔ ایک دن وہ شکار کھیلنے گیا تو اس نے ایک نر سارس کو دیکھا۔ وہ جہاں بیٹھا ہوا تھا۔ آہٹ سن کر

وہاں سے ہٹ گیا۔اس کی رفتار سے کمزوری اور نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔ جہاں سے وہ اٹھ کر گیا تھا۔وہاں چند ہڈیاں اور کچھ پَر پڑے ہوئے تھے۔

اس نر سارس پر جال ڈال کر اسے پکڑا گیا۔ پتہ چلا کہ وہ بہت ہلکا ہو گیا ہے۔ سینے اور پیٹ کے پَر اڑ گئے تھے۔ گوشت پوست بھی گل رہا تھا اور وہاں کیڑے پڑے ہوئے تھے۔ وہ صرف مٹھی بھر پَروں اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا۔ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی مادہ مر چکی ہے اور وہ اس کی جدائی میں رفتہ رفتہ اپنی جان دے رہا ہے۔

شہزادے نے دل ہی دل میں کہا۔"ہم مہرالنساء کی جدائی میں جان تو نہیں دے رہے ہیں۔لیکن ہمارا حال بھی کچھ نر سارس کی طرح ہو گیا ہے۔"

پھر اس نے اپنی تزک میں غم جدائی کو اس طرح بیان کیا ہے۔

بگداخت تن از ہجر دل افروز مرا
افروخت چو شمع آہ جاں سوز مرا
روز طرب سیاہ شد چوں شب غم
بنشاند فراق تو بدین روز مرا

☆☆☆☆☆

شہنشاہ جلال الدین اکبر ایک طویل عرصے تک بستر علالت پر پڑا رہا۔ آخر ایک دن سب ہی کو جان دینی پڑتی ہے۔اس نے بھی اپنی جان اپنے معبود کے سپرد کر دی۔ سچ ہے کہ مکمل دین و ایمان کے مطابق زندگی گزار کر جان دی جائے تو عاقبت سنور جاتی ہے اور مرتے وقت آسودگی حاصل ہوتی ہے۔

شہنشاہ اکبر دین اسلام کی راہ سے بھٹک گیا تھا۔ ایک نئے دین الٰہی کی تشہیر کرتا رہا تھا۔ بعد میں بری طرح ناکامی ہوئی تو پھر دین اسلام کی طرف لوٹ آیا۔ یہ اس کی خوش بختی تھی کہ مرتے وقت اسے کلمہ طیبہ نصیب ہوا تھا۔

شہزادہ سلیم باپ کی موت پر کئی دنوں تک رنجیدہ رہا پھر امور سلطنت کی طرف توجہ دی۔ آٹھ جمادی الآخر دس سو چودہ ہجری دارالحکومت آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر اڑتیس سال تھی۔

وہ سورج نکلنے کے وقت تخت نشین ہوا تھا۔ اس لئے اپنا لقب نورالدین اختیار کیا۔ اس

نے اپنے زمانہ شہزادگی میں اکثر علماء ہند سے سنا تھا۔ کہ شہنشاہ اکبر کے بعد جو ہندوستان کے تخت پر بیٹھے گا اس کا نام نورالدین جہانگیر ہوگا۔ لہٰذا اس نے اپنا نام و لقب نورالدین جہانگیر رکھا۔

ایمن آباد کے ایک شخص نے بتایا کہ حروف ابجد کے حساب سے جہانگیر اور اللہ اکبر کے الفاظ ہم عدل ہیں۔ شہنشاہ نورالدین جہانگیر نے خوش ہو کر اس شخص کو ایک بہت بڑی جاگیر عطا کی۔

تخت نشین ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلا حکم صادر کیا۔"قلعہ کے شاہ برج کی چوٹی کے ساتھ ایک زنجیر عدل لٹکائی جائے اور اس کا دوسرا سرا دریائے جمنا کے کنارے پتھر کے ستون سے باندھا جائے۔"

پھر اس نے منادی کرائی کہ منصف اور عدلیہ کے حکام انصاف کرنے سے گریز کریں تو مظلوم رعایا اس زنجیر عدل کو ہلا کر اپنی فریاد شہنشاہ نورالدین جہانگیر تک پہنچا سکتی ہے۔

وہ تیس گز لمبی خالص سونے کی زنجیر تھی۔ اس میں سات گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں اور اس کا وزن تقریباً چار من تھا۔ جب اس زنجیر کو ہلایا جاتا تو اس کی آواز محل کے اندر دور افتادہ گوشوں تک پہنچتی تھی۔

زنجیریں عدل لگوانے کے بعد کچھ ایسے فریادیوں کی رسائی دربار تک ہوئی جو پہلے راجاؤں یا دربار کے اعلیٰ عہدیداروں کے خوف سے سہمے رہتے تھے اور بادشاہ سے فریاد نہیں کر پاتے تھے۔

ایک غریب نوجوان نے زنجیریں عدل ہلائی تو اسے بادشاہ تک پہنچایا گیا۔ وہ بولا۔"جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔"

جہانگیر نے کہا۔"تجھے امان دی جاتی ہے۔ جو کہنا ہے بے خوف و خطر کہہ دے۔ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

نوجوان نے کہا۔"میرا نام یوسف ہے۔ میں ایک کاشتکار ہوں۔ میں کھیتی باڑی چھوڑ کر راجہ بکرماجیت کے بیٹے کلیان کے خوف سے چھپتا پھر رہا ہوں۔"

"تو اس سے خوف زدہ کیوں ہے؟"

"میری ایک بہن ہے۔ اس کا نام بولی ہے۔ راجہ کے بیٹے کلیان کا دل اس پر آ گیا ہے۔ میرے بوڑھے والدین اپنی بیٹی کو ایک ہندو کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کلیان نے طیش میں آ کر میرے والدین کے بڑھاپے پر ترس نہیں کھایا۔ انہیں قتل کر کے اسی گھر میں دفن

کرا دیا۔ تا کہ یہ بات باہر تک نہ جائے۔ پھر وہ میری بہن کو اٹھا کر لے گیا۔ اسے بعد میں پتہ چلا کہ بولی کا ایک بھائی یوسف ہے۔ وہ انصاف کے لئے دربار جہانگیری تک پہنچ سکتا ہے۔"

یوسف نے ایک ذرا توقف سے کہا۔ "بے شک۔ میں جہاں پناہ کے پاس انصاف کے لئے آنا چاہتا تھا۔ لیکن کلیان کے آدمی میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ میں بڑی مشکل سے زنجیر عدل تک پہنچ پایا ہوں۔"

جہانگیر نے حکم دیا۔ "کلیان کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔"

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ راجہ بکر ماجیت نے گڑگڑا کر بیٹے کے لئے بھیک مانگی جہانگیر نے کہا۔ "تمہیں اس مسلمان عورت پر رحم نہیں آیا جس کی عزت سے کھیلا جا رہا تھا؟ ان بوڑھے ماں باپ پر ترس نہیں آیا جنہیں تمہارے بیٹے نے قتل کر دیا۔ چونکہ تم ہمارے مطیع اور باج گزار ہو اس لئے ہم تمہارے بیٹے کو سزائے موت نہیں دیں گے۔"

پھر جہانگیر کو حکم دیا۔ "کلیان کی زبان کاٹ دی جائے اور تا حکم ثانی اسے ہر روز بھنگیوں کے ساتھ کھانا کھلایا جائے۔"

عدل جہانگیر کے سلسلے میں یہ ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ چبوترہ کوتوالی کے قریب ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے شاہی خزانے کو لوٹ لیا تھا۔ کچھ عرصے بعد سردار نول کو اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ ان سب کو ہاتھیوں کے پاؤں تلے روند ڈالا جائے۔

سردار نول نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "میں بے بسی کی موت مرنا نہیں چاہتا۔ اگر حضور اجازت دیں تو میں ہاتھی کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔"

بادشاہ نے اس کی جرات مندی سے متاثر ہو کر پوچھا۔ "کیا تو سمجھتا ہے کہ مقابلے میں ہاتھی تجھے نہیں.....تُو ہاتھی کو مار ڈالے گا؟"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "میں اپنی قسمت آزمانا چاہتا ہوں۔ اگر ہاتھی پر غالب آ جاؤں تو جہاں پناہ سے التجا ہے کہ میری جاں بخش دی جائے۔"

بادشاہ نے ایک مست ہاتھی منگوایا اور حکم دیا کہ سردار نول کو اپنی جان بچانے کے لئے صرف ایک خنجر دیا جائے۔ ایک میدان میں اس مقابلے کا اہتمام کیا گیا۔ سردار نول بہت ہی دلیر

تھا۔ اس نے بڑی جواں مردی سے اس مست ہاتھی کا مقابلہ کیا۔ بادشاہ نے ایک انسان اور پہاڑ کا مقابلہ دیکھا۔ وہ اتنی مہارت سے خود کو بچاتا ہوا ہاتھی پر خنجر سے حملے کرتا رہا۔ ہاتھی اچانک ہی رک گیا پھر وہاں سے پلٹ کر بھاگتا چلا گیا۔

بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔ "بے شک تم دلیر ہو اور جان بخشی کے مستحق ہو۔ جاؤ ہم نے تمہیں آزاد کیا۔"

بادشاہ نے یہ بھی حکم دیا کہ اس ڈاکو کی نگرانی کی جائے۔ لیکن وہ نگرانی کرنے والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس علاقے سے بھاگ گیا اور دوسری جگہ چوری کی واردات کرنے لگا۔ جس کی موت آجاتی ہے وہ ہاتھی کو پچھاڑ کر بھی موت کو پچھاڑ نہیں پاتا۔

کچھ عرصے کی تلاش کے بعد اسے گرفتار کر کے جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ جہانگیر نے کہا۔ "تو بہت ہی بد بخت ہے، تو نے ہماری مہربانی اور اپنی آزادی کی قدر نہیں کی۔ حرام موت کو اپنا مقدر بنا لیا۔"

اسے سولی پر لٹکانے کا حکم دیا گیا۔ شیخ سعدی کا یہ شعر اس ڈاکو سردار کے حسب حال ہے۔

"عاقبت بھیڑیے کا بچہ بھیڑیا ہوتا ہے۔

اگرچہ ساتھ آدمی کے پرورش پائے ہو۔"

اس انصاف پرور کہلانے والے بادشاہ نے مہرالنساء کے معاملے میں ناانصافی کی۔ وہ اپنے رقیب کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی موت سے ہی مہرالنساء تک پہنچنے کی راہ کھل سکتی تھی۔

شیر افگن بردوان کا صوبیدار تھا۔ جہانگیر کے حکم سے قطب الدین کوکلتاش نے اسے شیر کا شکار کھیلنے کی دعوت دی۔ منصوبہ یہ تھا کہ شکار کھیلنے کے دوران شیر پر بعد میں اور شیر افگن پر پہلے گولی چلائی جائے گی۔

اس تدبیر سے بادشاہ وقت پر الزام نہیں آ سکتا تھا۔ یہ کہا جا سکتا تھا کہ گولی شیر پر چلائی گئی تھی۔ لیکن موت شیر افگن کی آئی تھی۔ وہ دھوکے سے مارا گیا ہے۔

جلال الدین اکبر کے وفات پاتے ہی مہرالنساء نے سمجھ لیا تھا کہ اس کی زندگی میں انقلابیاں تبدیلیاں آنے والی ہیں۔ وہ ان تبدیلیوں کو قبول کرنے کے لئے پہلے سے ذہنی طور پر آمادہ تھی لیکن اسے یہ منظور نہیں تھا کہ اس کے مجازی خدا علی قلی خاں شیر افگن کو کوئی جانی نقصان پہنچے۔ جہانگیر نے خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے اسے لکھا۔ "مہرالنساء! ہمیں جس دن کا انتظار

تھا۔وہ دن آچکا ہے۔اب ہم ہر قیمت پر تمہیں حاصل کریں گے۔تم بہت جلد ہمارے نکاح میں آنے والی ہو۔"

مہر النساء نے جواباً لکھا۔"جہاں پناہ نورالدین جہانگیر کو ہندوستان کا تاج وتخت مبارک ہو۔ہم ظل سبحانی سے التجا کرتے ہیں کہ ہمارے مجازی خدا شیر افگن سے سمجھوتے کی کوئی راہ نکالیں۔ہمارے سہاگ کو کوئی نقصان پہنچے' یہ ہمیں گوارا نہیں ہے۔

ہم اپنے مجازی خدا کی سلامتی چاہتے ہیں۔ہم ظل الٰہی کو پہلے خدا کا واسطہ دیتے ہیں پھر اس محبت کا واسطہ دیتے ہیں جو آپ کو ہم سے ہے۔خدارا ہمارے شوہر کو کوئی جانی نقصان نہ پہنچائیں۔

ہم مطلقہ تو بن سکتے ہیں لیکن بیوہ بننا گوارا نہیں ہے۔اگر آپ ہمیں بیوگی کا صدمہ پہنچائیں گے تو ہم آپ کی زوجیت میں آنے سے انکار کردیں گے۔"

جہانگیر نے اس خط کا جواب نہیں دیا۔شیر افگن کی موت کا فیصلہ اٹل تھا۔دو تلواریں ایک نیام میں نہیں رہ سکتی تھیں۔لہٰذا وہ دوسری تلوار کو توڑ کر ہی نیام میں پہنچ سکتا تھا۔

پھر اس بات کا یقین تھا کہ رقیب کی موت کا الزام اس پر نہیں آئے گا۔زبان خلق کہے گی کہ شیر افگن شکار کے دوران دھوکے میں مارا گیا ہے اور مہر النساء کو بھی یہ یقین کرنا ہی پڑے گا۔

قطب الدین کو کلتاس اور شیر افگن شکار کے لئے بنگال کے گھنے جنگل سندر بن میں آئے۔وہاں اونچے درختوں پر مچانیں بنائی گئی تھیں۔قطب الدین ایک ہی مچان میں شیر افگن کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔تاکہ اس پر ہونے والا حملہ ناکام رہے تو وہ اس کے قریب رہ کر کامیابی سے دوسرا حملہ کرسکے۔

ان سے بیس گز کے فاصلے پر سامنے والے درخت پر جو مچان تھی۔اس میں قطب الدین کے ماہر شکاری موجود تھے۔انہوں نے قطب الدین کے ساتھ کئی بار شیر کا شکار کیا تھا۔ان کا نشانہ اتنا پختہ تھا کہ شیر نظر آنے کے بعد ان سے بچ کر جا نہیں سکتا تھا۔

انہیں اسی لئے سامنے والی مچان پر بٹھایا گیا تھا۔ان میں سے کوئی شیر افگن کی طرف گولی چلاتا تو اس کی موت لازمی ہوجاتی۔شکار کھیلنے والے دور مچان پر بیٹھے دیکھ رہے تھے کہ قطب الدین اور شیر افگن ایک دوسرے سے کتنے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔گولی چلانے والوں سے کسی طرح کی غلطی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

شیر کو رگیدنے اور ہانکا دے کر شکار گاہ کی طرف لانے والے سینکڑوں ملازم تھے۔وہ

ڈھول تاشے بجاتے ہوئے منہ سے زور زور کی آوازیں نکالتے ہوئے شیر کو کہیں چھپنے اور پناہ لینے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔وہ دوڑتا ہوا ان ہی مچانوں کی طرف آیا۔دوڑنے کے دوران میں اس کی چھلانگیں کئی گز دور تک ہوتی تھیں۔وہ جیسے فضا میں اُڑتا ہوا بیس فٹ اور چالیس فٹ کی بلندی تک جاتا تھا۔

جب وہ مچانوں کے درمیان سے بلندی پر چھلانگیں لگاتا ہوا گزرنے لگا تو دو شکاریوں نے اس پر گولیاں چلائیں اور تیسرے نے شیر افگن کا نشانہ لیا۔بھاگنے والوں کی چیخ پکار' ڈھول تاشوں کی آوازیں اور شیر کی دہشت ایسی تھی جیسے جنگل کے اس حصے میں زلزلہ آگیا ہو۔ درختوں پر بنی مچانوں میں ذرا لرزش پیدا ہوئی تو نشانہ چوک گیا۔شیر افگن کی طرف آنے والی گولی قطب الدین کے بازو کو زخمی کرتی ہوئی گزر گئی۔ایک شور برپا ہوا۔شیر مارنے کی خوشی کم ہوئی اور قطب الدین کے زخمی ہونے کی تشویش زیادہ ہوئی۔سب نے چیخ چیخ کر پوچھا۔"یہ کیوں ہوا؟ یہ کیسے ہوا؟"

سامنے مچان کے دو شکاریوں نے بیان دیا۔"ہمارے ساتھ جو تیسرا بیٹھا ہوا تھا، اس نے گولی چلائی تھی پھر ہمارے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی وہ درخت سے کود کر فرار ہوگیا ہے۔"

قطب الدین کے زخم کی مرہم پٹی ہورہی تھی۔شیر افگن نے حیرانی سے پوچھا۔"وہ آپ کا وفادار اور قابل اعتماد شکاری تھا۔پھر اس نے آپ پر گولی کیوں چلائی؟"

قطب الدین نے کہا۔"ہم نے حال ہی میں اسے ملازم رکھا تھا۔کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کسی دشمن نے اسے ہماری موت بنا کر بھیجا ہے۔"

اگرچہ قتل کے اس منصوبے میں بری طرح ناکامی ہوئی۔تاہم اتنا ہوا کہ شیر افگن نے اپنے میزبان قطب الدین پر کسی طرح کا شبہ نہیں کیا۔اور قطب الدین کی یہ بدنصیبی تھی کہ سامنے والی مچان سے حملہ ہونے کے بعد وہ دوسرا کامیاب حملہ اس پر نہ کرسکا۔اس سے پہلے ہی اس کا بازو زخمی ہوگیا تھا۔

یہ خبر جہانگیر تک پہنچی تو وہ غصے سے تلملا گیا۔شکار بچ گیا تھا اور شکاری زخمی ہوگیا تھا اور زخمی ہونے والا اس کا رضاعی بھائی تھا۔اس نے منصوبے پر عمل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔اسے الزام نہیں دیا جاسکتا تھا۔جھنجھلاہٹ اس بات کی تھی کہ مہر النساء کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں آتے آتے رہ گیا تھا۔

شیر افگن نے مہر النساء کو شکار کا واقعہ سنایا۔وہ پریشان ہوکر بولی۔"میں نہیں مانتی کہ

قطب الدین کے ملازم نے خود اپنے آقا پر گولی چلائی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ دشمن نے آپ کا نشانہ لیا ہو اور وہ نشانہ چوک گیا ہو۔"

وہ بولا۔ "کیسی باتیں کرتی ہو؟ مہرالنساء! وہاں کسی کو مجھ سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے؟"

"آپ نے بارہا یہ کہا ہے کہ شہنشاہ نورالدین جہانگیر آپ سے نجانے کیوں بدظن ہیں؟ حال ہی میں آپ پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ بردوان کی رعایا آپ سے خوش نہیں ہے یہاں لوٹ مار کا بازار گرم رہتا ہے اور قانون نافذ کرنے والا ادارہ بہت کمزور ہوگیا ہے۔"

شیر افگن نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں ہم پر یہ بے بنیاد الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

مہرالنساء نے کہا۔ "اور آپ یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہیں کہ گولی آپ کی مچان کی طرف کیوں چلائی گئی تھی؟"

شیر افگن نے چونک کر مہرالنساء کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "تعجب ہے کیا ہم یہ سمجھیں کہ شہنشاہ نورالدین جہانگیر ہم سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں...؟ لیکن کیوں...؟"

مہرالنساء منہ پھیر کر جانے لگی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ چند روز کے بعد ہی قطب الدین نے اسے یہ اطلاع دی کہ شہنشاہ جہانگیر بنگال تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کو وہاں حاضری کا حکم دیا گیا ہے۔ آج سے چار دن بعد آپ ہمارے محل میں تشریف لے آئیں۔

مہرالنساء یہ سن کر خوش ہوئی کہ بادشاہ جہانگیر خود ہی شیر افگن سے ملنے کے لئے آ رہا ہے۔ یقیناً ان کے درمیان کوئی پُر امن سمجھوتہ ہوگا۔ شیر افگن کو کوئی جانی نقصان نہیں پہنچے گا تو اس کا ضمیر بھی مطمئن رہے گا۔

شیر افگن وقت مقررہ پر قطب الدین کے محل میں پہنچا۔ وہاں نورالدین جہانگیر نہیں تھا۔ قطب الدین نے کہا۔ "ہمارے برادر جہانگیر نے کل رات ہی یہ پیغام بھیجا ہے کہ وہ حکومت کے چند اہم مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ فی الحال یہاں آنے سے قاصر ہیں۔"

شیر افگن نے کہا۔ "ہم بھی اپنے صوبے کے معاملات میں بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ لیکن بادشاہ کا حکم سب سے اہم ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی جاگیر سے دور یہاں آنا پڑا۔"

"آپ کو تو یہاں آنا ہی تھا۔ کیونکہ برادر جہانگیر آپ سے ایک معاملے میں سمجھوتہ کرنا

چاہتے ہیں۔"

شیر افگن نے تعجب سے پوچھا۔ "شہنشاہ ہندوستان اور ہم سے سمجھوتہ....؟ وہ تو ہمیں حکم دے سکتے ہیں۔"

"برادر کا خیال ہے جو کام محبت اور رواداری سے نکل جائے۔ وہاں حاکم نہیں بننا چاہئے۔"

"یہ شہنشاہ جہانگیر کا بڑا پن ہے۔"

"شہنشاہ کا دل بڑا ہے۔ اگر آپ سمجھوتے پر راضی ہو جائیں گے تو وہ آپ کی جاگیر میں اضافہ فرمائیں گے۔"

"آخر ایسی کیا بات ہے؟ وہ کس قسم کا سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں؟"

قطب الدین کوکلتاس نے ایک ذرا توقف کیا۔ شیر افگن کو دیکھا، پھر کہا۔ "شہنشاہ ہندوستان نورالدین جہانگیر نے محبت سے فرمایا ہے کہ آپ اپنی زوجہ مہرالنساء کو طلاق دے دیں۔"

شیر افگن ایک دم سے تڑپ کر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ گرجتے ہوئے بولا۔ "یہ کیا بکواس ہے؟"

قطب الدین بھی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ حد ادب میں رہیں۔ شہنشاہ ہندوستان کی ایک فرمائش کو بکواس کہہ رہے ہیں۔"

"ہم ایسی فرمائش پر لعنت بھیجتے ہیں جو ہمارے گھر کی چار دیواری تک پہنچے اور ہماری غیرت کو للکارے۔"

"بادشاہ وقت کے وفاداروں اور تابعداروں کو اپنے نام اپنے مرتبے اپنی عزت اور اپنی غیرت کی بھی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ کیا آپ چنگیزی تورا کا قانون نہیں جانتے کہ بادشاہ کی نظر جس عورت پر پڑ جائے۔ اس کا شوہر طلاق دے کر بادشاہ کے لئے اسے آزاد کر دیتا ہے؟"

"ہم ایسے چنگیزی تورا کا قانون نہیں مانتے، آپ جہاں پناہ کی وکالت کر رہے ہیں تو ان سے جا کر کہہ دیں شیر افگن اپنی جان دے دے گا لیکن اپنی عزت کا سودا نہیں کرے گا۔"

قطب الدین نے اپنی نیام سے تلوار کھینچتے ہوئے کہا۔ "تم شہنشاہ ہندوستان کی فرمائش کو ٹھکرانے کی جرات کر رہے ہو۔"

اس کے ساتھ ہی اس کے محافظ سپاہیوں نے بھی تلواریں نیام سے نکال لیں۔ قطب الدین نے کہا۔ "اسے گرفتار کر لو۔ یہ بدبخت اپنی موت کو پکار رہا ہے۔ اسے بیڑیاں پہنا کر برادر جہانگیر کے سامنے پیش کیا جائے گا۔"

شیر افگن نے اپنی تلوار نکالتے ہوئے کہا۔" زنجیر بکف ہو کر مرنے سے بہتر ہے کہ ہم مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان دیں۔"

قطب الدین نے اس پر حملہ کیا۔لیکن جوابی حملے کی تاب نہ لا سکا۔یکے بعد دیگرے تلوار کے دو حملوں سے دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔دوسرے تمام سپاہی شیر افگن پر پل پڑے۔اس تنہا شخص نے جم کر مقابلہ کیا۔لیکن کب تک.....؟ محل کے باہر سے اور کئی سپاہی ننگی تلواریں لئے چلے آرہے تھے۔ان سب نے مل کر اس کی تکا بوٹی کر ڈالی۔

اگرچہ مہر النساء کے عزائم بلند تھے۔وہ ملکہ ہندوستان بننے کے خواب دیکھتی رہتی تھی۔اس کے باوجود وہ اپنے مجازی خدا شیر افگن کی زندگی کو داؤ پر لگانا نہیں چاہتی تھی۔وہ اس کی لاڈلی بیٹی کا باپ تھا۔اس نے اپنی زندگی کا ایک حصہ اس کے ساتھ نہایت ہی شرافت اور وفاداری کے ساتھ گزارا تھا اور وفاداری کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ شہنشاہ جہانگیر کے ظلم پر احتجاج کرے۔

جہانگیر کو اپنی رضاعی بھائی قطب الدین کوکلتاس کی موت کا صدمہ پہنچا۔اس نے شیر افگن کو اس کا قاتل ٹھہرایا اور حکم دیا کہ اس کی تمام زمین وجائیداد ضبط کر لی جائیں اور مہر النساء کو اس کی بیٹی کے ساتھ شاہی حرم میں پہنچا دیا جائے۔

وہ اپنی نظروں میں خود ظالم نہیں تھا۔ایک پہلو سے عاشق تھا اور دوسرے پہلو سے بادشاہ۔اس کے نقطہ نظر سے شیر افگن کو قتل کرانا کوئی ظلم نہیں تھا۔کوئی جرم نہیں تھا۔بلکہ مہر النساء کو حاصل کرنے کے لئے ایک بادشاہ نے اپنی ضد پوری کی تھی اور بادشاہ کو کوئی ضدی اور ظالم کہنے کی جرات نہیں کرتا۔

یہ جرات صرف مہر النساء میں تھی۔اس نے سیاہ ماتمی لباس پہن لیا تھا۔اس کے شاہی حرم میں آکر یہ طے کر لیا تھا کہ ساری عمر ایسے ہی ماتمی لباس میں رہا کرے گی۔جب عدت کے ایام گزر گئے تو جہانگیر نے اسے اپنی منکوحہ بنانے کی خواہش ظاہر کی۔اس نے بے خوف وخطر اس کی خواہش کو ٹھکرا دیا۔

جہانگیر بنفس نفیس اس سے ملنے آیا۔اس نے پردہ کرتے ہوئے کہا۔"ہم آپ کے لئے نامحرم ہیں اور ہمیشہ نامحرم رہیں گے۔آپ جبراً پردہ چاک کریں گے یا اپنی خلوت میں بلائیں گے تو ہم اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔"

جہانگیر نے ایک بار اسے خلوت میں بلا کر اسے حاصل کرنا چاہا تھا۔لیکن اس نے خنجر کی

نوک اپنے سینے پر رکھ لی تھی اور کہا تھا کہ وہ نکاح کے بغیر اپنے بدن کو چھونے نہیں دے گی اور آج یہ احتجاج کر رہی تھی کہ بادشاہ نے اس پر ظلم کیا ہے۔اس کے مجازی خدا کو قتل کیا ہے۔لہٰذا وہ اس سے راضی نہیں ہو گی۔بہتر ہے کہ صدمات سہنے کے لئے اسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔

وہ جھنجھلا کر واپس چلا آیا۔وہ ایک بادشاہ کی حیثیت سے اسے جبراً حاصل کر سکتا تھا۔اس طرح وہ ایک رات کے لئے حاصل ہو جاتی۔اس کے بعد بلا سے وہ اپنی جان سے جاتی۔خود کشی کر لیتی۔مگر ایک بادشاہ کی ضد پوری ہو جاتی۔

لیکن مہر النساء کے لئے وہ صرف ایک بادشاہ نہیں تھا۔صرف بدن حاصل کرنا ہوتا تو بیگمات اور کنیزوں کی کمی نہیں تھی۔وہ اسے پیار سے منانا چاہتا تھا۔یہ جانتا تھا کہ صدمات ابھی تازہ ہیں۔رفتہ رفتہ کم ہو جائیں گے۔پھر ختم ہو جائیں گے پھر وہ راضی ہو جائے گی۔

اسے یہ اطمینان تھا کہ وہ شاہی حرم میں ہے۔اپنی دسترس میں ہے۔نہ وہاں سے کہیں جا سکے گی اور نہ ہی کوئی اسے چھین لینے کی جرات کر سکے گا۔وہ ذرا ناراض ہے' کوئی بات نہیں۔اسے پہلی بار روٹھی ہوئی محبوبہ کو منانے کا مزہ آرہا تھا۔

وہ امور سلطنت کی طرف زیادہ دھیان دینے لگا۔اس کا بیٹا خسرو پہلی بار جنگ میں شکست کھانے کے بعد فرار ہو گیا تھا۔کچھ عرصے تک کہیں روپوش رہا۔پھر پتہ چلا کہ اس نے دوبارہ جنگی قوت حاصل کی ہے اور ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رہا ہے۔جہانگیر نے مہابت خان کو ایک کثیر لشکر کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔دریائے چناب کے قریب جے پال کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے آئے۔جم کر مقابلہ ہوا۔اس بار بھی خسرو شاہی لشکر کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔وہاں سے فرار ہو کر دریائے چناب کے کنارے شاہ پور کے مقام پر آیا۔وہاں سے وہ دریا عبور کر کے افغانستان یا ازبکستان کی طرف جانا چاہتا تھا۔جہانگیر نے حکم دیا کہ اسے ہندوستان سے باہر نکلنے کا موقع نہ دیا جائے۔

ازبک قوم سے مغل بادشاہوں کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔جہانگیر نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا خسرو وہاں جا کر ان سے مدد طلب کرے۔اس طرح مغلوں کی توہین ہوتی۔اس نے حکم دیا تھا کہ دریا کے ہر گھاٹ پر سختی سے پہرہ لگایا جائے۔تاکہ وہ دوسرے کنارے تک نہ جا سکے۔

خسرو اور اس کے ساتھیوں نے ملاحوں کو بہت سا مال وزر دے کر دوسری طرف جانا چاہا۔لیکن کوئی راضی نہ ہوا۔آخر جبراً وہ ایک کشتی چھین کر وہاں سے فرار ہونے لگا۔مگر اس کی بدبختی

آڑے آرہی تھی۔وہ کشتی آگے جاکر ریت میں دھنس گئی۔خسرو اور اس کے ساتھیوں نے اسے ریت سے نکالنے کی بہت کوششیں کیں مگر ناکام رہے۔آخر جہانگیری لشکر کے سپاہیوں نے آکر اسے گرفتار کرلیا۔

چنگیزی قانون کے مطابق خسرو کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔حسین بیگ اور عبدالرحیم نے بھی بغاوت میں اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ان دونوں کو بھی زنجیروں میں جکڑ کر لایا گیا تھا۔وہ خوف سے کانپ رہے تھے۔جہانگیر نے حکم دیا کہ ایک کو گائے کی کھال میں اور دوسرے کو گدھے کی کھال میں سی کر الٹا گدھے پر ڈال کر تمام شہر میں پھرایا جائے۔

حکم کی تعمیل کی گئی۔دونوں کو کھالوں کے اندر بھر کر سلائی کر دیا گیا اور گدھے پر لاد کر پورے شہر میں گھمایا گیا۔گدھے کی کھال کی نسبت گائے کی کھال خشک ہوتی ہے۔لہٰذا حسین بیگ چار پہر زندہ رہ کر دم گھٹنے کی وجہ سے مر گیا۔عبدالرحیم گدھے کی کھال میں بند تھا،وہ دیر تک خشک رہی اس لئے دیر تک اذیتیں برداشت کرنے کے بعد اسے موت آئی۔

جن افراد نے بغاوت میں خسرو کا ساتھ دیا تھا۔ان سب کو ہاتھیوں کے پیروں تلے کچلوا دیا۔تاکہ عبرت رہے اور آئندہ کوئی سرکشی کی جرات نہ کرے۔جہانگیر نے خسرو کے ہاتھوں اور پیروں میں بیڑیاں دیکھ کر کہا۔"افسوس صد افسوس.....!باپ نے تو تخت پالیا اور بیٹے نے اپنا تختہ کر لیا۔یہ دیکھ کر شرم آرہی ہے کہ شہنشاہ نورالدین جہانگیر کا بیٹا ایک حقیر مجرم کی طرح دربار میں پابہ زنجیر کھڑا ہے۔"

وہ سر جھکائے زنجیروں میں جکڑا ہوا چپ کھڑا تھا۔اس کے پاس بولنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔جہانگیر نے کہا۔"سوچو کہ تم نے کیا کھویا ہے اور کیا پایا ہے؟اور اگر سمجھ سکو تو تم نے کھویا ہی کھویا ہے۔ایک تنکا تک نہیں پایا ہے۔باپ کی نظروں سے گر گئے۔کبھی ولیعہد نہیں بن سکو گے۔تم تو سراسر سزائے موت کے مستحق ہو۔لیکن تمہاری رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا ہے۔باپ دادا کا تو احترام کرنا ہی پڑے گا۔"

پھر اس نے داروغہ اور سپاہیوں سے کہا۔"اسے لے جاکر زندان میں ڈال دیا جائے۔شاہی مطبخ کے کھانے اس کے سامنے نہ رکھے جائیں۔اسے قیدیوں کا لباس پہنایا جائے اور اس کے ساتھ ذلیل قیدیوں جیسا سلوک کیا جائے۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔اور اسے ایک نامعلوم مدت کے لئے زندان میں ڈال دیا گیا۔مہرالنساء کے معاملے میں جہانگیر اپنے اندر ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔اب تک اس کی زندگی میں جتنی حسین اور جمیل عورتیں آئی تھیں۔انہیں مال وزر سے یا جبر سے حاصل کیا تھا۔اب تک محض ہوس ہی ہوس تھی۔لیکن مہرالنساء ابتدا ہی سے محتاط رہ کر ایک فاصلہ قائم کرتے ہوئے اسے ترسا بھی رہی تھی۔تڑپا بھی رہی تھی اور اپنی قدر و قیمت بھی بڑھاتی رہی تھی۔

جہانگیر کو اس کا پیار بھرا انکار بہت اچھا لگتا تھا۔وہ جس قدر نایاب ہوتی رہی۔اسی قدر جہانگیر کی محبت میں شدت پیدا ہوتی رہی۔اسے صبر کرنا بھی آگیا۔یہ اعتماد پیدا ہوا کہ وہ اپنی ہے آج نہیں تو کل ضرور دھڑکنوں سے آلگے گی۔

اس نے مہرالنساء سے کہا۔"ہم تمہارے انکار سے مایوس نہیں ہیں۔امید پر دنیا قائم ہے۔اور ہماری محبت بھی اسی امید پر قائم رہے گی۔تم ہماری ہو اور ہماری ضرور بنو گی۔فی الحال ہماری ایک خواہش پوری کر دو۔"

اس نے کہا۔"اگر وہ خواہش جائز ہے تو ہم ضرور پوری کریں گے۔"

"یہ سیاہ ماتمی لباس اتار دو۔بیوگی کا ماتم بہت ہو چکا۔پہلے کی طرح سب رنگ لباس پہنا کرو۔شاہی تقریبات میں شریک ہوا کرو۔محل سے باہر تفریح کے لئے یا شکار کھیلنے کے لئے جانا چاہو تو تمہارے لئے تمام انتظامات کئے جائیں گے۔"

مہرالنساء نے ماتمی لباس اتارا تو دھیرے دھیرے اور بھی تبدیلیاں پیدا ہونے لگیں۔وہ کبھی دینی مجالس میں شریک ہونے لگی۔اور کبھی شاہی خاندان میں ہونے والی شادیوں میں رنگ برنگے لباس پہننے لگی۔اسے تیر تلوار چلانے اور بندوق سے نشانہ لینے میں مہارت حاصل تھی۔وہ پھر سے فن سپہ گری کی مشقیں کرنے لگی۔اب وہ کبھی کبھی محل سے باہر کھلی فضا میں جایا کرتی تھی۔مرغزاروں میں جاکر کبھی بندوق سے اور کبھی تیر اندازی سے اڑتے ہوئے پرندوں کا نشانہ لیا کرتی تھی۔

بندوق سے نشانہ لینے والوں کو اور جنگل میں شکار کھلانے والوں کو قراول کہا جاتا ہے۔ان قراولوں نے جہانگیر کو اطلاع دی کہ جنگل میں چار شیروں کو گھیرا گیا ہے۔جہاں پناہ شکار کے لئے تشریف لا سکتے ہیں۔

جہانگیر کے ساتھ اکثر بیگمات بھی شکار کے لئے جایا کرتی تھیں۔وہ شکار تو نہیں کھیلتی

تھیں۔لیکن انہیں کھلی فضاء میں گھومنے پھرنے کا موقع مل جاتا تھا۔اس موقع پر جہانگیر نے مہرالنساء سے کہا۔"ہماری خواہش ہے کہ تم بھی شکار پر چلو۔ہم نے سنا ہے' تم نشانہ خوب لگاتی ہو۔ہم تمہاری مہارت دیکھنا چاہتے ہیں۔"

ایک طویل عرصے کے بعد وہ جہانگیر اوراس کی بیگمات کے ساتھ محل سے دور کھلی فضاء میں آئی۔اس نے درختوں پر مچان میں بیٹھ کر شکار کرنے سے انکار کیا۔وہ درختوں اور مچانوں میں چھپ کر نہیں' کھلے میدان میں شیر کا شکار کھیلنا چاہتی تھی۔

جہانگیر اس کی دلیری سے متاثر ہوا۔وہ ہاتھی کی عماری میں بیٹھ کر ادھر آئی' جدھر شیروں کو ہانک کر لایا جارہا تھا۔دوسری بیگمات کے لئے دور خیمے لگائے گئے تھے اوروہاں مسلح سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھیں کہ آج مہرالنساء کا کام تمام ہوجائے۔یہ بات سب ہی اچھی طرح سمجھ گئی تھیں کہ آج نہیں کل وہ جہانگیر کے نکاح میں آنے والی ہے۔اور جب منکوحہ بن جائے گی تو تمام بیگمات سے افضل اور برتر کہلایا کرے گی۔

دعائیں کام آتی ہیں۔لیکن بددعائیں بے اثر رہتی ہیں۔اس روز صبح سے شام تک مہرالنساء نے وقفے وقفے سے چھ گولیاں چلا کر یکے بعد دیگرے چار شیروں کو مار گرایا۔دوسرے تمام ماہر شکاری دنگ رہ گئے۔جہانگیر نے ایسا کارنامہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ایک تو وہ پہلے ہی اس کا دیوانہ تھا۔اس روز اس کی دلیری اور سپہ گری کی مہارت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔وہ اس کے دل ودماغ کو پہلے ہی تسخیر کر چکی تھی۔اب اس کی رگوں میں لہو کی طرح دوڑنے لگی۔

ایک شاعر نے اس کی شجاعت پر فی البدیع ایک شعر کہا تھا۔

نور جہاں گرچہ بصورت زن است
درصفِ مردان زن شیر افگن است

جہانگیر نے اس کارنامے پر ایک ہزار اشرفیاں اس پر سے نچھاور کیں اور ہیروں سے بنائے ہوئے کنگن اسے پیش کئے' جن کی قیمت تقریباً ایک لاکھ روپے ہوتی ہے۔اس کے ساتھ ہی اس نے نکاح کا پیغام بھیجا۔اس باراس کی والدہ عصمت النساء اور والد مرزا غیاث نے اسے سمجھایا کہ بے اعتنائی بہت ہوچکی۔اب رشتہ قبول کرلو۔

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے.....ایک طویل عرصے تک اپنے عاشق کو تڑپانے اور ترسانے

کے بعد اس نے نکاح قبول کرلیا۔جہانگیر نے پہلے اسے نور محل کا خطاب دیا۔اس کے بعد نور جہاں کے خطاب سے سرفراز کیا۔بعد میں یہی نام مغلیہ تاریخ میں گونجتا رہا۔

جہانگیر کو ایک طویل مدت کے بعد گوہر مقصود ملا تھا۔اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔اس نے نور جہاں کے تمام عزیز واقارب اور رشتے داروں کو بڑے بڑے منصب عطا کئے۔اس کے تمام عزیز واقارب طرح طرح کی شاہانہ عنایتوں اور نوازشوں کے مستحق قرار پائے۔اس کے والد اعتمادالدولہ مرزا غیاث الدین کو وکالت کل کے عہدے پر فائز کیا گیا اور جس دائی نے نور جہاں کو دودھ پلایا تھا۔وہ محلات کی دیوان مقرر کی گئی۔

وہ شادی کے بعد اور زیادہ جہانگیر کے دل میں گھر کر چکی تھی۔اس نے پہلے شاہی محل کے اندر اپنی حکمرانی قائم کی۔شاہی صدرالصدور جو محلوں کے تمام اخراجات متعین کرتا تھا۔ان اخراجات پر پہلے نور جہاں کی منظوری کی مہر لگنے لگی۔یعنی اس نے دوسری تمام بیگمات کو ان کے ذاتی اخراجات کے سلسلے میں اپنے آگے محتاج بنالیا۔

وہ خوش فہمی میں مبتلا رہنے والی عورت نہیں تھی۔یہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ شیر افگن کی زوجہ بننے اور ایک بیٹی کی ماں بننے کے بعد اس میں کنواری دوشیزاؤں جیسی کشش نہیں رہی ہے۔اس نے اپنی ذہانت سے اور بڑی حکمت عملی سے جہانگیر کو اپنا اسیر بنایا ہے اور آئندہ بھی اسے باسی حسن وشباب سے نہیں' اپنی ذہانت اور قابلیت سے اپنے زیر اثر رکھنا ہے۔

اس نے طرح طرح کی علوم حاصل کئے تھے۔علم وفضل میں یکتا تھی۔لیکن اس نے اتنی توجہ سے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔جتنی توجہ سے جہانگیر کو پڑھتی آئی تھی۔وہ اس کی ایک ایک رگ سے واقف ہوگئی تھی۔

وہ حرم سے پرانی کنیزوں کی چھٹیاں کرنے لگی۔جہانگیر حسن پرست تھا۔نئے چہرے نیا حسن وجمال دیکھ کر فوراً ہی کسی پر بھی فریفتہ ہوجاتا تھا۔نور جہاں انتہائی حسین وجمیل لڑکیوں کا انتخاب کرتی تھی اورانہیں کنیزوں کی حیثیت سے اس حسن پرست کے سامنے پیش کرتی رہتی تھی۔

مغل بادشاہوں اور شہزادوں کے درمیان شراب پینے کی روایت رہی ہے۔جب ہمایوں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہا تھا۔تب بابر نے اپنے ہاتھوں سے بیٹے کو شراب پلائی تھی۔سب ہی بادشاہ یہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ان کے شہزادے اپنے حرم میں شراب وشباب کی محفلیں منعقد کرتے رہتے ہیں۔

جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہے۔ ''شہزادہ خرم (شاہ جہاں) کی عمر چوبیس سال ہو چکی ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے صاحب اولاد ہے۔ خود اس نے آج تک کبھی شراب نہیں پی۔ ہم نے اس سے کہا۔ ''بیٹے! تُو اب صاحب اولاد ہے اور سلطنت کی رسم ہے کہ بادشاہ اور شہزادے شراب پیتے آئے ہیں۔ اس لئے جشن کے موقع پر نوروز اور بڑی بڑی محفلوں میں شراب پی لیا کرو۔''

الغرض ہم نے اسے شراب پلائی۔ ہم نے اپنی عمر کے پندرہ سال تک شراب نہیں پی تھی۔ بچپن میں ہماری والدہ نے دو تین مرتبہ پانی اور گلاب میں ملا کر دوا کے طور پر پلائی تھی۔

ایک بار شکار سے تھکا ہوا آیا تو استاد شاہ قلی نے مشورہ دیا کہ ہمیں ایک پیالہ شراب نوش کرنا چاہئے۔ اس نے زرد رنگ کی شیریں شراب پلائی۔ اس کا ذائقہ ہمیں بہت پسند آیا۔ ہم رفتہ رفتہ اتنی کثرت سے پینے لگے کہ انگوری شراب سے نشہ ہونا بند ہو گیا۔ تب ہم تیز شراب پینے لگے۔ ان دنوں میری غذا مرغ' نان اور مولی ہوتی تھی۔ کسی شخص کو جرات نہیں ہوتی تھی کہ ہمیں شراب سے منع کرے۔ پھر یہی ہوا کہ کثرت شراب سے ہمارے جسم میں رعشہ آنے لگا۔ اور پیالہ پکڑنا محال ہو گیا۔ ہمارے ساقی پیالہ پکڑ کر ہمیں پلاتے تھے۔

حکیم ابوالفتح کے بھائی حکیم حمام میرے والد بزرگوار کے مصاحبوں میں سے تھے۔ انہوں نے خلوص اور صاف دلی سے سمجھایا۔ ''صاحب عالم! شراب پینے کا جو طریقہ آپ نے اختیار فرما رکھا ہے۔ اگر مزید چھ ماہ تک یہ طریقہ جاری رہا تو آپ کی حالت ناقابل علاج ہو جائے گی۔''

ان کی نصیحتوں نے ہمارے دل پر بہت گہرا اثر کیا۔ چنانچہ ہم نے اس دن سے اپنی شراب کی مقدار کم کر لی اور فلونیا کی مقدار زیادہ کر دی۔ ہم نے حکم دیا کہ شراب انگوری میں شراب دو آتشہ ملا کر پیش کیا جایا کرے۔

پھر ہم نے پینے کی مقدار بیس پیالے روزانہ سے گھٹا کر چھ پیالوں تک کر دی۔ ہر پیالے میں وزن کے لحاظ سے ایک پیالہ اور چار تولے شراب ہوتی تھی۔ بہرالحال کچھ عرصے کے بعد میں فلونیا ترک کر دی اور افیون کی طرف مائل رہے۔ ہم پانچ گھڑی دن چڑھے چھ رتی افیون کھاتے ہیں اور پہر رات گئے چھ رتی کھا لیا کرتے ہیں۔''

تاریخ پڑھنے والوں کو تزک جہانگیری سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر نشے کا عادی تھا۔ لیکن نور جہاں نے تو محل میں رہ کر اس کی ایک ایک عادت اور ایک ایک فطرت کو سمجھ لیا تھا۔

نور جہاں نے اس کی شراب کی مقدار میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ بچپن ہی سے افیون کا عادی تھا۔ وہ اس بات کا خیال رکھتی تھی کہ افیون کی اس خوراک میں نہ کبھی کمی ہو، نہ کبھی ناغہ ہو۔ وہ اسے عیش و طرب اور نشے میں اس طرح مدہوش رکھتی تھی کہ ایک بادشاہ کی حیثیت سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہونے لگی تھی۔ اہم احکامات جاری کرتے وقت وہ پوری طرح دماغی طور پر حاضر نہیں رہتا تھا۔ ایسے وقت وہ اسے مشورے دیتی تھی کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے؟

وہ بہت ہی ذہین اور معاملہ فہم تھی۔ جہانگیر اس کے مشوروں سے اور سیاسی تدابیر سے قائل ہو جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے حکومت سے کنارہ کشی کر لی۔ اس نے اپنی تزک میں لکھا ہے۔

''ہم نے سلطنت نور جہاں کو سونپ دی ہے۔ ہمیں تو صرف ایک سیر شراب' آدھ سیر گوشت اور افیون کی خوارک کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔''

ہندوستان کی تاریخ میں چاند بی بی اور رضیہ سلطانہ نے بھی حکومت کی تھی۔ لیکن وہ دربار میں بے پردہ ہو کر تخت پر بیٹھتی تھیں۔ علماء کو یہ گوارا نہ تھا۔ انہوں نے ان کے خلاف فتوے دیئے تھے۔ اس دور کے امراء اور روٗسا اس احساس کمتری میں مبتلا تھے کہ عورتیں ان پر حکومت کر رہی ہیں۔

ان حکمران خواتین کے خلاف ہمیشہ سازشیں ہوتی رہیں۔ وہ ہمیشہ نیک نامی کے بجائے بدنامی سے دوچار ہوتی رہیں۔ نور جہاں نے ایسی غلطیاں نہیں کیں۔ اس نے اپنے ماتحت علماء کو اور درباری امراء اور روٗسا کو کسی طرح کی شکایت کرنے یا سازش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ کبھی بے حجاب ہو کر تخت پر آ کر نہیں بیٹھی۔ ہمیشہ جہانگیر کو بٹھایا اور اس کے پیچھے دوسرے تخت پر بیٹھ کر پورے ہندوستان پر حکوت کرتی رہی۔ جہانگیر کے حکم سے اس کے نام کا سکہ بھی ڈھالا گیا۔ اس سکے پر مرقوم تھا۔

بحکم شاہ جہانگیر یافت صدر زیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

نور جہاں تخت کے پیچھے بیٹھ کر تمام احکامات جاری کرتی تھی اور اس پر جہانگیر کی مہر لگتی تھی۔ شہنشاہ نورالدین جہانگیر کی مہر دیکھ کوئی شکایت نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی اعتراض نہیں کر سکتا تھا کہ ایک عورت ان پر حکومت کر رہی ہے۔

اس نے ابتداء سے ہی شاہی محل میں رہ کر طرح طرح کے سیاسی داؤ پیچ دیکھے تھے۔ یہ

بات ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ ایک شہزور دوسرے شہزور کو مار کر گراتا ہے پھر اس کی لاش پر کھڑا ہو کر حکومت کرتا ہے۔ نور جہاں نے جو سیکھا تھا وہی حربہ استعمال کر رہی تھی۔ اس نے جہانگیر کی لاش نہیں گرائی تھی مگر اسے بے دست و پا اور تقریباً بے جان بنا دیا تھا۔ اسے سامنے بٹھا کر بڑی ذہانت سے اپنے نام کا سکہ چلا رہی تھی۔

جہانگیر کے معنی ہیں' سارے جہاں کو گرفت میں رکھنے والا اور وہ گرفت میں رکھنے والا مہرالنساء کی گرفت میں آ گیا تھا۔

جہانگیر کی تقریباً تمام بیگمات نے نور جہاں کی برتری تسلیم کر لی تھی۔ صرف ایک بیوی جگت گوسائیں نہ تو اس سے مرعوب رہتی تھی اور نہ اس کے زیر اثر آتی تھی۔ اس نے شہزادہ خرم (شاہ جہاں) کو جنم دیا تھا اور جہانگیر نے خرم کو تخت و تاج کا جان نشین قرار دیا تھا۔

چونکہ جگت گوسائیں ولی عہد کی ماں تھی۔ اس لئے ملکہ معظمہ کہلاتی تھی۔ نور جہاں کی بیٹی جو شیر افگن سے ہوئی تھی۔ اسے لاڈلی بیگم کہا جاتا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ اپنی لاڈلی بیٹی کو شہزادہ خرم سے منسوب کر دے۔ وہ مستقبل میں بادشاہ بننے والا تھا۔ اس طرح اس کی بیٹی ہندوستان کی ملکہ کہلاتی۔

لیکن نور جہاں اپنی سوکن کے مزاج کو خوب سمجھتی تھی۔ اگر لاڈلی بیگم کو اس کی بہو بنایا جاتا۔ تو وہ اس بہو کو اپنے بیٹے پر کبھی حاوی نہ ہونے دیتی۔ اس سوکن (جگت گوسائیں) نے تو نور جہاں کو بھی خود پر حاوی ہونے نہیں دیا تھا۔

دوسری طرف شہزادہ خرم بھی اپنی سوتیلی ماں (نور جہاں) کو پسند نہیں کرتا تھا اور نہ ہی اس کی بیٹی سے کوئی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کے برعکس وہ نور جہاں کے بھائی آصف جہاں کی بیٹی ارجمند بانو پر عاشق ہو گیا تھا۔

جگت گوسائیں بھی جوڑ توڑ کی ماہر تھی۔ اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس کا بیٹا خرم نور جہاں کی بیٹی کو نہیں بلکہ اس کے بھائی آصف جاہ کی بیٹی کو چاہتا ہے۔ اگر وہ ارجمند بانو کو اپنی بہو بنائے گی تو یہ سراسر نور جہاں کے سیاسی منصوبے کے خلاف ہوگا۔ وہ نہیں چاہے گی کہ اس کے بھائی کی بیٹی مستقبل میں ہندوستان کی ملکہ کہلائے۔

جو نور جہاں نہیں چاہتی تھی۔ وہ جگت گوسائیں چاہتی تھی۔ اس نے نور جہاں کی لاعلمی میں آصف جاہ کو طلب کیا۔ پھر اس سے کہا۔ ''ہم آپ کی بیٹی ارجمند بانو کو اپنی بہو بنانا چاہتے

ہیں۔ کیا اس سلسلے میں آپ کو کوئی اعتراض ہے؟''

وہ دست بستہ ہو کر بولا۔ ''اعتراض کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میری بیٹی ارجمند بانو ولی عہد شہزادہ خرم کی منکوحہ اور آپ کی بہو بنے گی، اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن....''

وہ آگے کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ جگت گوسائیں نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ کیوں رک گئے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''میری ہمشیرہ ملکہ نور جہاں اپنی صاحبزادی کو آپ کی بہو بنانا چاہتی ہیں۔''

وہ بولی۔ ''اور یہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ بے شک۔ آپ اپنی بیٹی کو ہماری بہو بنائیں گے تو آپ کی بہن سے اختلافات پیدا ہوں گے۔ لہٰذا تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور فرمائیں۔ شاہی خاندان میں سیاسی جوڑ توڑ کے بغیر کوئی بھی نمایاں مقام حاصل نہیں کر پاتا۔ آپ کی صاحبزادی مستقبل میں ہندوستان کی ملکہ بن سکتی ہے۔ ہم آپ کو سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کا وقت دیتے ہیں۔''

جگت گوسائیں نے ایک چنگاری پھونک دی۔ وہ چنگاری آصف جاہ کے دماغ میں شعلہ بن کر بھڑکنے لگی۔ کوئی اپنا نقصان برداشت نہیں کرتا۔ اس نے سوچا اگر مستقبل کا شہنشاہ خرم میرا داماد بن جائے گا تو مجھے اپنی بہن نور جہاں پر برتری حاصل ہو جائے گی۔ یوں بھی شہنشاہ نور الدین کے بعد نور جہاں کے اقتدار کو زوال پذیر ہونا ہی ہے۔

جہانگیر نے جب شہزادگی کے دور میں اپنے بابا جانی جلال الدین اکبر کے خلاف بغاوت کی تھی' تب اس کی والدہ مان بائی عرف مریم زمانی اور اس کی بیوی جگت گوسائیں نے الہ آباد آ کر شہزادے کو بغاوت سے باز رہنے کے سلسلے میں سمجھایا منایا تھا۔ پھر اسے باپ کے قدموں میں گرنے پر راضی کر لیا تھا۔ ایسے وقت شہزادے کو احساس ہوا کہ وہ بغاوت کر کے بہت بڑی غلطی کر رہا تھا۔

اس نے اپنی بیگم جگت گوسائیں سے کہا۔ ''تم نے ہم باپ بیٹے میں صلح کرائی ہے۔ ہماری بہتری کے لئے بہت اہم فرض ادا کیا ہے۔ ہم تم سے خوش ہیں۔ تم اپنی کوئی تین خواہشیں بیان کرو۔ ہم انہیں پورا کریں گے۔''

جگت گوسائیں نے کہا۔ ''ابھی ایک ہی خواہش ہے اور وہ یہ کہ آپ تخت پر بیٹھنے کے بعد ہمارے بیٹے خرم کو اپنا ولی عہد بنائیں اور یہ اعلان کریں کہ آئندہ وہی تخت و تاج کا وارث ہوگا۔''

جہانگیر نے اسے زبان دی تھی کہ اس کی یہ خواہش پوری ہوگی۔ اس روز وہ اپنی دوسری خواہش بیان کرنے کے لئے جہانگیر کی خواب گاہ میں آئی تو وہاں نور جہاں بھی موجود تھی۔ اس نے شکایتاً کہا۔ ''ایک عرصہ ہو چکا ہے' ہمارے مجازی خدا نے ہمیں کبھی یاد نہیں کیا۔''

جگت گوسائیں کو بلقیس مکانی کا خطاب دیا گیا تھا۔ جہانگیر نے کہا۔ ''آؤ' بلقیس مکانی! ہم تمہیں یاد کریں یا نہ کریں۔ تم کسی وقت بھی اپنی ضرورت کے تحت ہمارے پاس آسکتی ہو۔ کیا ہم سے کچھ کہنا چاہتی ہو؟''

''ہاں۔ مگر.....''

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر نور جہاں کی طرف دیکھا۔ جہانگیر نے کہا۔ ''یہ نور جہاں ہمارا دل ہے۔ ہمارا دماغ ہے۔ ہماری کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ تمہیں جو کہنا ہے' بلا جھجک کہو۔''

جگت گوسائیں نے کہا۔ ''آپ کو یقیناً یاد ہوگا کہ آپ نے ہماری ایک خواہش پوری کی تھی' باقی دو خواہشات رہ گئی تھیں۔ آج ہم دوسری خواہش بیان کرنے آئے ہیں۔''

''بیان کرو۔ وہ دوسری خواہش بھی پوری کی جائے گی۔''

جگت گوسائیں نے زیر لب مسکراتے ہوئے نور جہاں کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ ''ہم ملکہ نور جہاں کے بھائی آصف جہاں کی دختر نیک اختر ارجمند بانو کو اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں۔''

جہانگیر نے کہا۔ ''یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ تمہاری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔''

نور جہاں نے ایک دم سے بھڑک کر کہا۔ ''ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ آپ ہم سے مشورہ کئے بغیر کوئی اہم فیصلہ نہیں کرتے ہیں۔ لہٰذا فیصلہ ابھی نہ کریں۔''

جہانگیر نے کہا۔ ''بے شک۔ ہم تمہارے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ لیکن ہم برسوں پہلے بلقیس مکانی کو زبان دے چکے ہیں کہ تین خواہشیں ضرور پوری کریں گے۔ دوسری خواہش آج بیان کی گئی ہے اور ہم اپنی زبان سے پھرنے والے نہیں ہیں۔''

نور جہاں نے کہا۔ ''بے شک۔ آپ اپنی بات پر قائم رہیں۔ لیکن ملکہ ہندوستان کی حیثیت سے ہمارا خاندان آپ کے خاندان سے کسی طرح کم تر نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں خاندانوں کی باہمی رضامندی سے یہ رشتہ ہوگا۔ اگر ہمارے بھائی اور ہماری بھتیجی ارجمند بانو نے رشتے سے انکار کیا تو آپ جبر نہیں کریں گے۔''

''بے شک۔ ہم تمہیں اپنے سے کم تر نہیں سمجھتے۔ تمہارا خاندان بھی اعلیٰ اور افضل ہے۔ ہم تمہارے بھائی اور تمہاری بھتیجی کی رضامندی معلوم کریں گے۔ اگر انہوں نے انکار کیا تو یہ رشتہ نہیں ہوگا۔''

پھر اس نے جگت گوسائیں سے کہا۔ ''تمہاری یہ خواہش پوری ہو بھی سکتی ہے۔ اور نہیں بھی ہو سکتی۔ ہماری طرف سے یہ رشتہ منظور ہے۔ لیکن ملکہ کے خاندان سے بھی منظوری لازمی ہے۔ لہٰذا حتمی فیصلے کا انتظار کرو۔''

پھر اس نے نور جہاں کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ''اپنے بھائی آصف جاہ کو طلب کرو۔ ہم اس سے پوچھیں گے کہ وہ اس رشتے کے لئے راضی ہے یا نہیں؟''

نور جہاں نے ایک طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''حضور کے منہ سے بو آرہی ہے۔''

جہانگیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جب تم ناراض ہوتی ہو تو اسی طرح منہ پھیر کر نخرے دکھاتی ہو۔''

پھر اس نے جگت گوسائیں سے کہا۔ ''ذرا ہمارے قریب آؤ اور سونگھ کر دیکھو! کیا واقعی بُو آرہی ہے؟''

اس نے جواب دیا۔ ''جس عورت نے صرف ایک ہی مرد کا منہ سونگھا ہو وہ خوشبو اور بدبو میں کیا تمیز کر سکتی ہے؟''

سوکن نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ نور جہاں ایک دم سے تلملا گئی۔ جہانگیر حسن مذاق کو سمجھتا تھا۔ اس نے خوش ہو کر اپنے گلے سے سچے موتیوں کی مالا اتاری اور جگت گوسائیں کو پہنائی۔ وہ شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلی گئی۔

پورے محل میں ایک جگت گوسائیں تھی جو نور جہاں سے ٹکر لیتی تھی۔ اکثر دونوں میں نوک جھونک رہا کرتی تھی۔ کبھی اس کا اور کبھی نور جہاں کا پلڑا بھاری ہو جاتا تھا۔ ایک بار جہانگیر نے ارشاد کیا کہ بلقیس مکانی (جگت گوسائیں) آج اپنے طریقے پر رسوئی کا انتظام کرے اور اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر لائے۔

اس نے فرمائش پوری کی۔ رسوئی تیار کرنے کے بعد بادشاہ کو کھلانے سے پیشتر نمک مرچ کا ذائقہ چکھ لیا۔ جب بادشاہ کے سامنے دستر خوان چنا گیا تو نور جہاں نے الزام دیا۔ ''اس نے تو رسوئی جھوٹی کر دی ہے۔''

جگت گوسائیں نے بے ساختہ کہا۔ "جب ہمارے مجازی خدا کو جھوٹی ہی پسند ہو تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

یہ ایسا طنز تھا کہ نور جہاں فوراً ہی منہ پھیر کر وہاں سے چلی گئی۔ ایسی بات نہیں تھی کہ وہ سوکن کے آگے زچ ہو جاتی تھی۔ وہ بھی ترکی بہ ترکی جواب دینا جانتی تھی۔ لیکن ایک کے بعد دوسرا شوہر کیا تھا۔ اس پہلو سے ذرا کمزور پڑ جاتی تھی۔

سلطنت کے معاملات بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ وہ ہر معاملے کو بڑی خوش اسلوبی سے نمٹایا کرتی تھی۔ لیکن تخت نشینی کا معاملہ سب سے پیچیدہ تھا۔ جہانگیر کے پانچ بیٹے تھے۔ خسرو، خرم، پرویز، جہاندار اور شہریار.....نور جہاں کی نظر شہزادہ شہریار پر تھی۔ وہ اسے اپنا داماد اور تخت کا جانشین بنانا چاہتی تھی۔

جب وہ شیر افگن کی شریک حیات تھی۔ تب ہی جہانگیر نے اپنی بیوی جگت گوسائیں کو زبان دی تھی کہ شہزادہ خرم تاج وتخت کا جانشین ہوگا۔ چونکہ اس فیصلے کا اعلان ہو چکا تھا۔ اس لئے بادشاہ اپنی زبان سے نہیں پھر سکتا تھا۔ نور جہاں تو بڑی بڑی آندھیوں کے منہ پھیر دیتی تھی۔ بادشاہ اس کے آگے کچھ نہیں تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ آئندہ اُسے کرنا کیا ہے؟

کرنا یہ تھا کہ شہریار کو اپنا داماد بنا کر اس کی قدر و قیمت بڑھانی تھی اور شہزادہ خرم کو اس کے باپ جہانگیر کی نظروں سے گرانا تھا۔ اس کے لئے لازمی تھا کہ باپ بیٹے کے درمیان پہلے رنجشیں اور پھر عداوت پیدا کی جائے۔

جس طرح جہانگیر شہزادگی کے زمانے میں نور جہاں سے عشق کر رہا تھا۔ اسی طرح اب شہزادہ خرم ارجمند بانو کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جہانگیر نے نور جہاں کی خاطر اپنے باپ جلال الدین اکبر کے خلاف بغاوت کی تھی۔ نور جہاں کے سامنے یہ آزمودہ نسخہ تھا کہ خرم سے بھی ارجمند بانو کو چھین لیا جاتا تو وہ اپنے باپ سے ناراض ہو جاتا اور بغاوت پر بھی آمادہ ہو جاتا۔ نور جہاں یہ حربے بھی جانتی تھی کہ ایک شہزادے کو اپنے باپ کے خلاف بغاوت پر کس طرح آمادہ کیا جا سکتا ہے؟

سب سے پہلی چال یہی تھی کہ ارجمند بانو کی شادی شہزادہ خرم سے نہ ہو۔ اس نے اس شادی میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لئے اپنے بھائی آصف جاہ کو طلب کیا۔ وہ بڑا بھائی تھا۔ لیکن چھوٹی بہن کے آگے سر جھکاتا تھا۔ کیونکہ وہ ملکہ ہندوستان تھی۔

آصف جاہ اس کے سامنے آ کر ادب سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ قریب آ کر

بولی۔ "ہم نے ملکہ کی حیثیت سے نہیں۔ ایک بہن کی حیثیت سے بھائی کو بلایا ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔ ایک اہم مسئلہ درپیش ہے۔"

اس نے ایک مسند پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں خوشی ہوگی اگر ہمارے تعاون سے وہ مسئلہ حل ہو جائے۔"

وہ بولی۔ "آپ دیکھ رہے ہیں ہم کتنی خوش اسلوبی سے امور سلطنت انجام دے رہے ہیں؟"

"ہمیں فخر ہے کہ ہم آپ جیسی ذہین ملکہ معظمہ کے بھائی ہیں۔"

"ہم آپ کے معاملات کو بھی سمجھتے ہیں کہ آپ کے لئے کیا بہتر ہے اور کیا نقصان دہ ہے؟"

"بے شک۔ ہم اپنے ذاتی معاملات میں بھی آپ کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں۔"

نور جہاں نے کہا۔ "ہماری سوکن جگت گوسائیں آپ کی بیٹی ارجمند بانو کو اپنے بیٹے سے منسوب کرنا چاہتی ہے لیکن ہم نہیں چاہیں گے کہ ہماری بھتیجی ارجمند بانو کو اس شہزادے سے منسوب کیا جائے۔"

آصف جاہ نے پریشان ہو کر اپنی بہن کو دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا اپنی صاحبزادی لاڈلی بیگم کو خرم سے منسوب کرنا چاہتی ہیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "ہرگز نہیں۔ ہمیں شہزادہ خرم ایک آنکھ نہیں بھاتا ہے۔"

آصف جاہ نے کہا۔ "لیکن ہمشیرہ...! شہزادہ خرم ولی عہد ہے۔ تاج وتخت کا جانشین ہے۔ جو بھی اس سے منسوب ہوگی وہ ملکہ معظمہ کہلائے گی۔ آپ شہزادہ خرم سے نالاں کیوں ہیں؟"

"ہم سیاسی حکمت عملی کو سمجھ رہے ہیں۔ وہ شہزادہ تخت پر بیٹھے گا تو ہمارا اقتدار کمزور پڑ جائے گا۔ کیا تم اپنی بہن کو کمزور بنانا چاہو گے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "خدا نہ کرے۔ آپ کا اقتدار زوال پذیر ہو۔ لیکن آپ دوسرے پہلو پر غور کریں۔ جس طرح آپ نے بادشاہ وقت کی زوجہ بن کر ہمارے لئے اور اپنے پورے خاندان کے لئے ترقی، ناموری اور خوشحالی کے دروازے کھول دیئے۔ اسی طرح ہماری بیٹی ارجمند بانو خرم کی منکوحہ بن کر شاہی خاندان سے رشتے داری کو اور پختہ کرے گی۔ ہم آج بھی در پردہ حکومت کر رہے ہیں اور آنے والے دنوں میں بھی کرتے رہیں گے۔"

"ایسا تب ہوگا جب مستقبل کا بادشاہ ہمارے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہے گا۔ شہزادہ خرم خوددار اور خود سر ہے۔ وہ ہمارے زیر اثر نہیں رہے گا۔"

وہ اس کے سامنے ایک مسند پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''ہم حکومتی معاملات کو آپ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آئندہ کون تخت نشین ہوگا اور کون ہمارے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہے گا۔ آپ یہ ذہن نشین کر لیں کہ اپنی بیٹی کو کسی بھی حال میں شہزادہ خرم سے منسوب نہیں کریں گے۔''

''آپ کسی شہزادے کو اپنا داماد بنا کر اپنے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہیں۔ جب کہ مرد کبھی ساس کے اشاروں پر نہیں بیوی کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ بادشاہ وقت آپ کے اشاروں پر چل رہے ہیں۔ اسی طرح ہماری ارجمند بانو شہزادہ خرم کو اپنے حسن وسلوک سے متاثر کرتی رہے گی۔''

''آپ کی بحث کا یہ انداز بتا رہا ہے کہ آپ اپنی بیٹی کو خرم سے منسوب کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں؟''

''آپ اسے فضول بحث نہ سمجھیں۔ جہانگیری فیصلہ اٹل ہے۔ آئندہ شہزادہ خرم ہی تخت نشین ہوگا۔ ہم اتنے بھی نادان نہیں ہیں کہ مستقبل کے شہنشاہ کو اپنی بیٹی دینے سے انکار کر دیں۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہمارے مشورے سے اور ایک ملکہ کے حکم سے انکار کر رہے ہیں۔''

''آپ اس وقت ملکہ نہیں۔ ہماری چھوٹی بہن ہیں۔ اور ہم اپنی بہن کو ناراض نہیں کریں گے۔ ایک بہترین مشورہ دینا چاہیں گے۔''

نور جہاں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''اور وہ بہترین مشورہ کیا ہے؟''

''یہ بات تو طے ہے کہ ہم سنہری موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔ شہزادہ خرم کو اپنا داماد ضرور بنائیں گے۔ اور بہترین مشورہ یہ ہے کہ آپ بھی شہزادہ خرم کو ہی اپنا داماد بنائیں ادھر ہم اپنی بیٹی اسے دیتے ہیں۔ ادھر آپ اپنی بیٹی کو اس کے نکاح میں دیں۔ اس طرح ہم بھائی بہن میں ہمیشہ کی طرح محبت قائم رہے گی۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''واہ۔ کیا خوب مشورہ دے رہے ہیں؟ بھائی ہو کر دشمن کی زبان سے بول رہے ہیں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ شہزادہ خرم آپ کی صاحبزادی کا دیوانہ ہے۔ ہماری صاحبزادی کی طرف تو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ شادی کے بعد کیا ہوگا؟ میری بیٹی حرم کے کسی گوشے میں پڑی رہے گی اور آپ کی بیٹی بادشاہ کے دل ودماغ پر حکومت کرتی رہے گی۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''آپ کے بہنوئی (جہانگیر) نے ابھی آپ کو طلب

کیا ہے۔ ہماری سوکن وہاں آپ کی بیٹی کا رشتہ مانگ رہی ہے اور ہم کہہ چکے ہیں' یہ رشتہ ہماری مرضی کے اور ہماری سیاسی مصلحتوں کے خلاف ہوگا۔ اگر اس بہن سے محبت ہے اور ملکہ ہندوستان کی عداوت مول لینا نہ چاہیں تو خرم کو داماد بنانے کے ارادے سے باز آجائیں۔ یہ آپ کی دانشمندی ہوگی۔ اور اگر آپ نے عقل سے کام نہ لیا تو سمجھ لیں کہ آپ کے بُرے دن آنے والے ہیں... اب آپ جا سکتے ہیں۔''

آصف جاہ نے کہا۔ ''ہم اپنی بہن سے ملنے آئے تھے۔ مگر افسوس ملکہ معظمہ کی [illegible] سن کر جا رہے ہیں۔''

وہ نور جہاں کی رہائش گاہ سے باہر آگیا۔ جہانگیر کے روبرو حاضر ہونے کے لئے اس کی خواب گاہ کی سمت جانے لگا۔ محل کے مختلف حصوں سے گزرتے وقت شہزادہ خرم سے سامنا ہو گیا۔ اس نے آداب شاہی کے مطابق شہزادے کو جھک کر سلام کیا۔ شہزادے نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر کہا۔ ''ہمیں آپ کے سامنے سر جھکانا اور آپ کو سلام کرنا چاہئے۔ آج ہمارا اور آپ کی صاحبزادی کا مقدمہ پیش کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ بابا جانی اس سلسلے میں آپ کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

''بے شک اسی لئے ہمیں طلب کیا گیا ہے۔''

''کیا ہم امید رکھیں کہ آپ ہمیں اپنی فرزندی میں لینا قبول فرمائیں گے؟''

آصف جاہ نے کہا۔ ''ہم بہت الجھے ہوئے ذہن سے جہاں پناہ کے روبرو حاضر ہونے جا رہے ہیں۔ ہمیں اپنی صاحبزادی ارجمند بانو کی خوشیاں عزیز ہیں۔ لیکن ملکہ ہمشیرہ کی مخالفت آڑے آرہی ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں' ہم نے یہ رشتہ منظور کیا تو صرف ہمارے ہی نہیں' آپ کے خلاف بھی طرح طرح کی سازشیں شروع ہو جائیں گی۔''

شہزادہ خرم نے سینہ تان کر کہا۔ ''آپ سازشوں کی پرواہ نہ کریں۔ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتے ہیں۔ ہمارے پاس بھی ذہانت ہے۔ ہم بھی درباری سازشوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ آپ کی ہمشیرہ جوڑ توڑ کی ماہر ہیں تو ہم بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ خدا کے فضل سے ہم مرد ہیں۔ ایک عورت سے خوفزدہ ہو کر خود اپنی توہین نہیں کریں گے۔''

اس وقت نور جہاں اپنی خوابگاہ میں تھی۔ اپنے بھائی آصف جاہ کی طرف سے مایوس ہو چکی تھی۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ بھائی تاج وتخت کے جان نشین کو اپنا داماد ضرور بنائے گا۔

اس کی ذہانت چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ جہانگیر کی موت سے پہلے اگر اس نے شہزادہ خرم کو تاج وتخت سے محروم نہ کیا تو وہ آئندہ اقتدار سے محروم ہو جائے گی۔

ان لمحات میں اس نے فیصلہ کیا۔ "اگر بھائی نے خرم کو اپنا داماد بنایا تو وہ شہزادہ شہریار کو اپنا داماد بنائے گی۔ بھائی کو بھائی سے اور بیٹے کو باپ سے لڑائے گی۔ دشمن کو شہ مات دینے کے لئے شطرنج کی بساط پر مہروں کو ایک دوسرے سے لڑانا ہی پڑتا ہے۔"

آئندہ وہ ثابت کرنے والی تھی کہ کتنی شاطر ہے؟ وہ صرف نور جہاں ہی نہیں ہے۔ آفت جہاں بھی ہے۔

تاریخی پس منظر کے مآخذ

مخزنِ افغانی

(تاریخ خاں جہانی): نعمت اللہ

ہسٹری آف جہانگیر: ڈاکٹر بینی پرشاد

اقبال نامہ جہانگیری: معتمد خان

مآثر جہانگیری: کامگار حسین

تزک جہانگیری: مولوی احمد علی رام پوری

☆☆☆☆☆☆☆

مسجودِ مجازی

لاکھوں کی تعداد میں مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے دور تک نظر آ رہے تھے۔ ہردوار میں ہر بارہ برس کے بعد کمبھ کا یہ میلہ لگتا تھا۔ اتنی طویل مدت کے بعد اس میلے کی اہمیت بڑھ جاتی تھی۔ دُور دراز کے علاقوں سے لاکھوں یاتری وہاں آتے تھے۔ بچے ناچتے گاتے دوڑتے پھرتے تھے۔ جھولے جھولتے تھے۔ کاٹھ کے گھوڑوں پر بیٹھ کر گھومتے تھے۔ بوڑھے اکیلے ہوں یا میلے میں ہوں، ہر جگہ پوجا پاٹ میں مصروف رہتے تھے۔ حدِ نگاہ تک رنگ برنگے ملبوسات میں عورتیں ایسی لگتی تھیں۔ جیسے ایک سرے سے دوسرے سرے تک قوسِ قزح کے رنگ بکھرتے چلے گئے ہوں۔

جہاں حسن و شباب ہوتا ہے۔ وہاں بانکے سجیلے عقاب بھی ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دیدہ دلیری سے جھپٹ پڑتا ہے۔ کوئی دور ہی دور سے تڑپتا رہتا ہے اور کوئی پیار و محبت سے اپنی رادھا کو رام کرتا رہتا ہے۔

آزر شیرازی شاعر، سنگ تراش اور مجسمہ ساز تھا۔ کوئی دوسرا ایک شاعر اور مجسمہ

ساز سے زیادہ حسن نظر نہیں رکھتا۔ ایران سے آنے والے اس جوان کے لئے وہ ہندوستانی ماحول انتہائی حسین اور رومان پرور تھا۔ کہیں نوٹنکی میں کرشن مُراری اپنی مُرلی کی تان چھیڑ کر رادھا کا دل لوٹ رہے تھے۔ کہیں نندلال کنکریاں مار مار کر بے چاری گوپیوں کے مٹکے پھوڑ رہے تھے۔ رنگ برنگے گھاگروں اور چولیوں میں جوان عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ ڈانڈیا کھیل رہی تھیں اور آزر شیرازی انہیں دیکھ دیکھ کر سحر زدہ ہو رہا تھا۔

وہ حسن پرست تھا۔ مگر ہوس پرست نہیں تھا۔ ایک سچا فنکار تھا۔ تمام حسین نظاروں کو اپنی آنکھوں سے سمیٹ کر ذہن میں محفوظ کر لیتا تھا۔ پھر ان پر خوبصورت اشعار کہتا تھا یا اُن کے حسین مجسمے تراشتا رہتا تھا۔ کسی جیتے جاگتے، سانس لیتے ہوئے مجسمے کو اپنے بازوؤں میں سمیٹنے اور اپنی دھڑکنوں سے لگانے کی ہوس کبھی پیدا نہیں ہوتی تھی۔

وہ کہتا تھا۔ ”خدا نے ایک سے بڑھ کر ایک حسین صورتیں اور مورتیں پیدا کی ہیں۔ کس کس سے دل لگایا جائے؟ ایک کو چھونے کے بعد دوسری اور تیسری کی ہوس پیدا ہوتی ہے۔ یوں انسان بعض اوقات حسن پرست نہیں رہتا، ہوس پرست بن جاتا ہے۔“

اسے مجسمہ سازی میں کمال حاصل تھا۔ اس نے سنا تھا کہ ہندوستان میں مجسمہ سازوں کی قدر و قیمت زیادہ ہے۔ ان کے دھرم میں بت پرستی ہے۔ اس لیے طرح طرح کے بت تراشے جاتے ہیں۔ وہ ایسے بت تراشنا نہیں چاہتا تھا۔ جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ پھر معلوم ہوا کہ دیویوں، دیوتاؤں، رام لکشمن، سیتا اور شنکر بھگوان کی مورتیوں کے علاوہ بھی حسین مجسمے تراشے جاتے ہیں۔ باذوق امیر و کبیر حضرات حسین عورتوں کے مجسمے نظارہ حسن کی تشنگی بجھانے کے لئے خریدتے ہیں۔ انہیں آرائشی طور پر اپنے محلوں اور باغوں میں سجاتے ہیں۔

آزر شیرازی اپنے ہنر کے ذریعہ دولت کمانے کے لئے ہندوستان آیا تھا۔ مال و دولت کے علاوہ بے مثال شہرت بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ مثبت اور تعمیری ارادوں کا حامل تھا۔ اس لئے دن رات اپنے ہنر کو زیادہ سے زیادہ جلا دینے کی دھن میں لگا رہتا تھا۔ ایک سے ایک حسینہ کے اندر اس کی کشش کے اسباب ڈھونڈتا تھا۔ لیکن منفی انداز میں کسی کی قربت حاصل کرنے کی خواہش نہیں کرتا تھا۔

انسان خواہش کرے یا نہ کرے۔ مقدر کے ارادوں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے اور مقدر نے اسے جھکا دیا۔ اُس کم سن حسینہ میں کچھ ایسی ہی کشش تھی کہ اس پر نظر پڑی تو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ ایسی بات نہیں تھی کہ وہ حسن و جمال میں یکتا اور بے مثال تھی۔ جس طرح خوبصورت ناک نقشے والیاں جاذبِ نظر ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ بھی تھی۔

دل کے معاملات عجیب ہوتے ہیں۔ دنیا جہان کی حسیناؤں کو چھوڑ کر کسی ایک کی طرف دل کھنچا چلا جاتا ہے۔ پہلی نظر میں پتہ نہیں چلتا کہ ایسا کیوں ہو گیا؟ کسی نے دیکھتے ہی دیکھتے پہلے نظروں کو اور پھر دل کو کیسے جکڑ لیا؟ رفتہ رفتہ اُس کی نگاہیں، اُس کی ادائیں، اُس کی باتیں، اُس کی گھاتیں...اُس کا تبسم، اُس کا تکلم، اُس کی چال بے مثال کرتی ہے بے حال...جب اُس کے اندر کے سارے بھید عیاں ہوتے ہیں اور ارادے جواں ہوتے چلے جاتے ہیں۔

وہ سہیلیوں اور گوپیوں کے سنگ ڈانڈیا کھیل رہی تھی۔ جب کھیلتے وقت ایک مخصوص انداز میں بل کھا کر گھومتی تھی تو رنگ برنگے گھاگھرے کے ساتوں رنگ بکھرتے ہوئے یوں لگتے تھے، جیسے اس کا ساتھ چھوڑ کر اپنے ہاتھ لگنے والے ہوں۔ پشت پر انگیا کی ڈوری ایسے کس کر بندھی ہوئی تھی کہ بدن ہائے ہائے کہتا ہوا نگاہوں کو پکار رہا تھا۔ سانسوں کی اٹھان پر جالی دار دوپٹہ لرز رہا تھا۔ بدن کے شہر میں ادھر سے ادھر ہو رہا تھا۔ آزر شیرازی زندگی میں پہلی بار اس شہر کی گلی گلی، کوچے کوچے میں بھٹکتا جا رہا تھا۔

وہ دنیا کو بھول گیا۔ اپنے آپ سے بے خبر ہو گیا۔ اُس پہیلی کو بوجھنے لگا کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ ایسا تو نہیں کہ خواب ہو۔ آنکھ کھلے گی تو پھر نہیں ملے گی۔

وہ ڈانڈیا کھیلنے کے بعد اپنی سہیلیوں کے ساتھ میلہ دیکھنے چل پڑی۔ وہ بھی بے اختیار اس کے پیچھے چل پڑا۔ مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ہجوم میں کبھی اس کے پیچھے چلتا تھا، کبھی دائیں بائیں ہو جاتا تھا اور کبھی آگے آ کر اسے دیکھتا تھا۔ وہ ہر زاویے سے اُس کے ذہن میں نقش ہو رہی تھی۔

وہ اُس سے بے خبر تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ ہنسنے بولنے میں مصروف تھی۔ کیا جانتی تھی کہ ہزاروں اور لاکھوں کے ہجوم میں ایک دیوانہ اس کے آگے پیچھے بکھرتا جا رہا ہے۔ فرش کی طرح بچھتا جا رہا ہے۔

وہ چوڑیوں کی ایک دکان پر رک گئی۔ اپنی سہیلیوں کے ساتھ چوڑیاں پسند کرنے لگی۔ ایک سہیلی نے کہا۔ ''انجلی....! یہ لال پیلی چوڑیاں تمہاری کلائیوں میں سجیں گی۔''

آزر شیرازی کو معلوم ہوا کہ اُس البیلی چھیل چھبیلی کا نام انجلی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''نہیں۔ میری چولی اور گھاگھرے میں سات رنگ ہیں۔ میں ست رنگی چوڑیاں پہنوں گی۔''

وہ کچھ اور قریب آگیا۔ دھانی رنگ کی چوڑیاں اٹھا کر اس کے روبرو آکر بولا۔ ''تم گل ہو۔ اپنے بدن پر گلستاں کے رنگ نہ بکھیرو۔ کہیں تو سادگی لاؤ۔ دھانی رنگ کی اوڑھنی پر یہ دھانی چوڑیاں خوب سجیں گی۔''

وہ اچانک ایک اجنبی کو اپنے روبرو دیکھ کر گھبرا سی گئی۔ ذرا پیچھے ہٹ کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگی۔ وہ قد آور صحت مند ایرانی جوان سپنوں کے راجکمار کی طرح اچانک ہی سامنے آگیا تھا۔ وہ فوراً ہی کچھ بول نہ سکی۔ بے یقینی سے سوچنے لگی۔ ''کیا وہ آگیا ہے؟ جو جاگتی آنکھوں کے خوابوں میں چندرما کے رَتھ پر سوار ہو کر آتا ہے اور پھر دل کی دھڑکنوں کو اتھل پتھل کر کے چلا جاتا ہے؟''

انجلی کو یوں لگا جیسے راجکمار نے اس کے ہاتھ کو تھام لیا ہے اور اپنے وجود کا یقین دلا رہا ہے کہ کوئی سپنا نہیں ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی۔ ''مجھے یقین کرنے دو اگر سپنا نہیں ہے تو پھر یہ اپنا ہے۔''

جیوتش ودّیا نے اسے بتایا تھا کہ اس کے جیون میں کوئی دیسی نہیں پردیسی آئے گا۔ وہ کبھی اس سے کترائے گی اور کبھی اس کی طرف کھنچی چلی جائے گی۔

وہ جیسے خیالوں سے چونک گئی۔ اپنا ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''کون ہو تم....؟ میں تمہاری چوڑیاں سویکار نہیں کروں گی۔''

اس کی سہیلیاں ہنسنے لگیں۔ وہ انہیں آنکھیں دکھاتے ہوئے بولی۔ ''کیوں ہنس رہی ہو؟''

ایک سہیلی نے کہا۔ ''اس نے چوڑیاں پہنائیں اور تم نے پہن لیں۔ اب نخرے کیوں دکھا رہی ہو؟''

اس نے چونک کر اپنی بائیں کلائی کو دیکھا۔ گورے بدن پر دھانی رنگ کی چوڑیاں سج رہی تھیں۔ انجلی حیران رہ گئی۔ پتہ ہی نہ چلا کہ وہ چوڑیاں کس چور راستے سے چلی آئیں؟ وہ جھنجھلا کر انہیں ایک جھٹکے سے اتارنا چاہتی تھی۔ وہ بولا۔ ''خدارا...ایسا نہ کرو۔ یہ ٹوٹیں گی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا اور دل توڑنا مندر توڑنے کے برابر ہوتا ہے۔''

مندر کے حوالے سے اس کا ہاتھ رک گیا۔ وہ بولا۔ ''میری یہ حرکت تمہارے مزاج کے خلاف ہے۔ تب بھی انہیں کلائی میں رہنے دو۔ میں چلا جاتا ہوں۔''

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ اس کے سپنے کہہ رہے تھے کہ راجکمار دستور کے مطابق آنے کے بعد جا رہا ہے۔ اس نے سہیلیوں کو دیکھا۔ پھر جانے والے کی طرف دیکھنا چاہا تو وہ بھیڑ میں گم ہو چکا تھا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے سہیلیوں سے پوچھا۔ ''کون تھا وہ...؟ کہاں سے آیا تھا؟''

ایک سہیلی نے کہا۔ ''بھاگ کی ریکھا پر چل کر آیا تھا۔''

دوسری سہیلی نے کہا۔ ''جیوتس مہاراج کے پاس چلو۔ وہ بتائیں گے کہ تمہاری ہتھیلی کی ریکھا پر یہ پھر سے آئے گا یا نہیں...؟''

وہ آگے بڑھ گئی۔ اس کے قدم جہاں بھی جا رہے تھے۔ نگاہیں وہیں اُسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ آزر شیرازی ہجوم میں چھپ چھپ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ انجلی کی متلاشی نگاہیں صاف صاف کہہ رہی تھیں کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی.........

وہ بہت دیر تک اسے ڈھونڈتی ہوئی، بہت دور تک چلتی ہوئی ایک شاہی خیمے میں چلی گئی۔ آس پاس اور کئی خیمے تھے۔ اُن سب کے آگے پیچھے مسلح سپاہی دکھائی دے رہے تھے۔

آزر شیرازی نے اُس کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ پتہ چلا کہ وہ راج تِلک راٹھور کی سب سے چھوٹی بہن ہے۔ شہنشاہ جلال الدین اکبر کا جو لشکر آگرہ میں تھا۔ راج تِلک راٹھور اس لشکر میں گھڑ سوار فوجیوں کا سپہ سالار تھا۔ وہ خود وہاں نہیں آیا تھا۔ لیکن اس کی بہنیں، ماتا، پتا اور دوسرے رشتے دار میلہ دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ انجلی کے ساتھ جو سہیلیاں تھیں وہ دراصل اس کی داسیاں تھیں۔ تھوڑا وقت گزرنے کے بعد ایک داسی نے آکر کہا۔ ''ہائے رام....! ہمارے سپاہیوں نے اُسے پکڑ لیا ہے۔ وہ تمہارا پیچھا کرتا ہوا

یہاں تک آیا تھا۔"

انجلی نے پریشان ہو کر کچھ سوچا۔ پھر داسی سے کہا۔ "جاؤ۔ داروغہ کو بلا کر لاؤ۔"

وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد داروغہ نے آ کر سر جھکا کر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "سیوک حاضر ہے۔"

انجلی نے پوچھا۔ "جسے گرفتار کیا گیا ہے' وہ کون ہے؟"

داروغہ نے کہا۔ "اس کا نام آزر شیرازی ہے۔ ایران کا رہنے والا ہے۔ حسین مورتیاں تراشتا ہے۔ دہلی جا کر اپنی قسمت آزمانا چاہتا ہے۔ یہاں نتھو کمہار نے مٹی کے برتنوں کی بہت بڑی دکان لگا رکھی ہے۔ وہ نتھو کمہار کے ساتھ رہتا اور کھاتا پیتا ہے۔ وہیں مٹی کے کھلونے بنا کر فروخت کرتا ہے۔"

انجلی نے کہا۔ "اسے گرفتار نہ کیا جائے۔ چھوڑ دیا جائے۔"

اسے چھوڑ دیا گیا۔ وہ نتھو کمہار کے پاس آیا تو اس نے پوچھا۔ "کہاں گھومتے پھر رہے ہو؟ کیا آج کام نہیں کرو گے؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر گوندھی ہوئی مٹی کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب میں کسی کام کا نہیں رہا۔ میں کھلونے نہیں..... کچھ اور بناؤں گا۔"

نتھو کمہار نے پریشان ہو کر کہا۔ "ایسا نہ کہو۔ تمہارے بنائے ہوئے کھلونے ہاتھوں ہاتھ بکتے رہتے ہیں۔ بڑا منافع ہو رہا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے' ابھی کچھ نہیں کر سکوں گا۔ مجھ سے باتیں بھی نہ کرو۔ میں کسی اور دنیا میں گم ہو چکا ہوں۔"

وہ مٹی میں سوکھی کٹی ہوئی گھاس اور بھوسی ملا کر ایک مورتی بنانے لگا۔ ایسے وقت اس کے آس پاس کی دنیا گم ہو چکی تھی۔ صرف وہ مسکرا رہی تھی۔ رقص کرنے کے انداز میں بڑی اداؤں سے آ رہی تھی۔ کبھی تبسم کے پھول کھلا رہی تھی اور کبھی ڈانڈیا کھیل رہی تھی۔ تمام رات اس کے آس پاس مشعلیں جلتی رہیں اور وہ غیر معمولی یادداشت کے سہارے اُسے مٹی کی مورت میں ڈھالتا رہا۔

دوسری صبح نتھو کمہار کی آنکھ کھلی تو اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "تم اب تک کام سے

لگے ہوئے ہو؟ رات کو کچھ نہیں کھایا۔ اب تک جاگ رہے ہو۔ آخر کیا بنا رہے ہو؟"

اس نے قریب آ کر مورتی کو دیکھا تو ایکدم سے حیران ہو کر کہا۔ "ہے راما..... ہے کرشنا..! اتنی سندر مورتی تو میں نے اپنے جیون میں کبھی نہیں دیکھی۔ ہائے....! کیسے من کو لبھانے والے انداز میں ڈانڈیا کھیل رہی ہے؟ ماں قسم۔ اس کے تو اتنے دام ملیں گے کہ تمہارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

وہ مورتی کو بڑے جذبے سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے اسے بیچنے کے لئے نہیں۔ اپنے دل و دماغ کو سینچنے کے لئے بنایا ہے۔"

باہر ایک بڑا سا گڑھا کھودا گیا تھا۔ اس میں مٹی کے برتن اور کھلونے پکانے کے لئے آگ جلتی رہتی تھی۔ اُس نے مورتی کو اس آوے میں پکنے کے لئے چھوڑ دیا۔

نتھو کمہار نے کہا۔ "میلے میں بڑے دھنوان آئے ہوئے ہیں۔ شاہی دربار کے مالدار لوگ بھی ہیں۔ وہ اس مورتی کے ہزاروں ٹکے دیں گے۔ تم تو مالا مال ہو جاؤ گے۔ مجھے بھی کچھ دے دینا۔ میرا بھلا ہو جائے گا۔"

"میں بھی مال و دولت کمانے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ مگر یہ کہہ چکا ہوں کہ اسے بیچنے کے لئے نہیں۔ اسے دیکھ دیکھ کر جینے کے لئے بنایا ہے۔"

"چلو یہ نہ سہی۔ ایسی ہی دوسری بنا دو۔"

وہ خلاء میں تکتے ہوئے اس البیلی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "نہ جانے تیری کتنی ادائیں میرے اندر نقش ہو گئی ہیں۔ میں تو ہر ادا سے' ہر زاویئے سے تجھے تراشتا رہوں گا۔"

نتھو کمہار نے پوچھا۔ "یہ تم کس سے بول رہے ہو؟"

"تم نہیں سمجھو گے۔"

"تمہارے جیسے کلاکار پاگل دیوانے ہوتے ہیں۔ چلو اٹھو! کچھ کھا پی کر آرام سے سو جاؤ۔"

وہ آوے میں پکنے والی مورتی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "نہ جانے لوگ کیسے کھاتے ہیں؟ کیسے سوتے ہیں؟ میں تو سب کچھ بھول چکا ہوں۔"

اُدھر انجلی رات گئے تک جاگتی رہی۔ کروٹیں بدلتی رہی۔ یہ سن کر پریشانی بڑھ گئی

تھی کہ سپنوں کا وہ راجکمار مسلمان ہے۔ وہ اسے اپنے دل و دماغ سے نوچ کر پھینک دینے کی کوششیں کر رہی تھی۔ جو لا حاصل تھا۔ اس کے لئے سوچنا کیا؟ اس کے ماتا‘ پتا اور سپہ سالار بھائی کبھی اپنی بیٹی اور بہن کو ایک مسلمان کے حوالے نہ کرتے۔

ایسا سوچتے ہوئے وہ قد آور صحت مند راجکمار اچانک ہی اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح‘ جیسے اس نے اچانک چوڑیوں کی دکان کے سامنے آ کر اسے چونکا دیا تھا۔ اس کا عجب حال تھا۔ جب بھی وہ اسے ذہن سے نکالنے کے متعلق سوچتی‘ وہ دل میں آ کر بیٹھ جاتا تھا۔

وہ زیرِ لب بڑبڑانے لگی۔ ”میں کیوں اس کے لئے باؤلی ہو رہی ہوں؟ اچھا ہوا‘ میرے سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا۔ دھمکیاں دیں۔ اب وہ خوفزدہ ہوگا۔ خود ہی میرے سامنے نہیں آئے گا تو میرے اندر کی یہ بے چینی بھی کم ہوتی رہے گی۔“

وہ دوسرے دن دیر تک سوتی رہی۔ میلے میں یہی ہوتا ہے۔ لوگ راتوں کو جشن مناتے ہیں اور دن کو دیر تک سوتے رہتے ہیں۔ لیکن اس دیوانے کی آنکھوں سے نیند اڑی ہوئی تھی۔ اس نے انجلی کے مجسمے کو آوے سے نکالا تو وہ آگ میں پک کر مضبوط ہو گیا تھا۔ پھر وہ اس پر رنگ چڑھانے کے لئے بیٹھ گیا۔ جیسا اس کا گورا گورا گلابی بدن تھا اور چہرے پر حیاء کی لالی تھی۔ ویسے ہی رنگ چڑھاتا چلا گیا۔ اس کے نقوش ابھارتا چلا گیا۔ چولی‘ گھاگھرے اور اوڑھنی پر قوسِ قزاح کے ساتوں رنگ نکھارتے وقت دل دھڑکتا جا رہا تھا۔ کشش بڑھتی جا رہی تھی۔ کانوں میں اس کی سرگوشی سنائی دے رہی تھی۔ ”جب میں جیتی جاگتی سانسیں لیتی ہوئی تمہارے پاس آسکتی ہوں تو ایک بے جان مجسمے سے کیوں بہل رہے ہو؟“

جب وہ مجسمہ مکمل ہوا تو یوں لگ رہا تھا‘ جیسے وہ سچ مچ سامنے آ کر ڈانڈیا کھیل رہی ہو۔ وہ اسے سامنے رکھ کر بستر پر لیٹ گیا اور دیکھتا رہا۔ دیکھتا ہی رہا..... پھر شام ہوتے ہوتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ میلے میں دن کو سناٹا رہتا تھا۔ شام ہوتے ہی چہل پہل شروع ہو جاتی تھی۔ انجلی پھر اپنی داسیوں کے ساتھ تفریح کے لئے نکلی تو دل اُس مسلمان پر اٹکا ہوا تھا۔ وہاں کے رنگا رنگ دلچسپ تماشے اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کر رہے تھے۔ نگاہیں اسی

کی جستجو میں بھٹک رہی تھیں۔

وہ اپنی داسیوں سے سہیلیوں جیسا سلوک کرتی تھی۔ اُن سے بھی کہتی تھی کہ وہ بے تکلفی سے باتیں کیا کریں۔ اس نے پوچھا۔ ”وہ کہاں ہے؟ کہیں دکھائی نہیں دے رہا ہے؟“

ایک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم نے اس کا نام نہیں لیا ہے۔ مگر ہم سب جانتی ہیں‘ تمہارا من میلے میں نہیں لگ رہا ہے۔ تمہارے پاؤں اسی کی طرف جا رہے ہیں۔ مگر وہ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔“

دوسری نے بھی کہا۔ ”اس کے لئے زیادہ بھٹکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ وہ وہاں ملے گا‘ جہاں مٹی کے برتن اور کھلونے ملتے ہیں۔“

انجلی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ہائے دیا...... میں یہ کیسے بھول گئی کہ وہ نتھو کمہار کے ساتھ رہتا ہے؟ ابھی وہاں چلو۔“

وہ سب ادھر جانے لگیں۔ راستے میں مردوں اور عورتوں کی بہت بھیڑ تھی۔ ایک اونچے سے چبوترے پر کئی پنڈت اور کئی مولوی حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک پنڈت کھڑا ہو کر تقریر کر رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں بادشاہِ وقت جلال الدین اکبر کے دینِ الٰہی کا پرچار کر رہا تھا۔ وہ تمام زرخرید عالم اور پنڈت دربارِ شاہی سے تنخواہ پاتے تھے۔ شہر شہر اور گاؤں گاؤں جا کر اکبر بادشاہ کے دینِ الٰہی کا پرچار کرتے رہتے تھے۔

ایک پنڈت کہہ رہا تھا۔ ”ہمارے شہنشاہ جلال الدین سب کے جگت گرو ہیں۔ وہ ہم کو اور تم سب کو تین وقت کی روٹیاں دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں‘ مسلمان اپنے دین کی دیوار کھڑی نہ کریں اور ہندو اپنے دھرم کی ریکھا کھینچ کر مسلمانوں سے الگ نہ ہوں۔ اس لئے ہمارے جگت گرو ہمارے جگت مہاراج ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک کرنے کے لئے ایک نیا دینِ الٰہی لائے ہیں۔“

ایک زرخرید عالم نے کہا۔ ”ہمارے شہنشاہ خلیفتہ الارض ہیں۔ وہ ہمیں سزا بھی دیتے ہیں اور جزا بھی دیتے ہیں۔ ان ہی کے دم قدم سے ہمیں تین وقت کا کھانا ملتا ہے اور آرام کی نیند میسر ہے۔ لوگو.....! اپنی عقل سے سوچو۔ کیا ہمارا جگت گرو اَن داتا نہیں ہے؟ کیا اُسے پورے ہندوستان کے لوگوں کی موت اور زندگی کا اختیار حاصل نہیں ہے؟“

بھیڑ میں کھڑے ہوئے زرخرید حواری بلند آواز سے کہہ رہے تھے۔ ''ہے۔ بادشاہ ہمارا اَن داتا ہے۔ ہماری زندگی اور موت جگت گرُو کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ چاہے تو ہمیں کسی وقت بھی موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ اور چاہے تو ہمیں ایک لمبی عمر عطا کر سکتا ہے۔''

ایک شخص نے چبوترے پر آ کر کہا۔ ''میری ماؤ، بہنو، بھائیو اور بزرگو...! میں کئی برسوں سے بے روزگار تھا۔ میری بیوی بچے کبھی ایک وقت کھاتے تھے۔ اور کبھی تمام دن فاقے کرتے تھے۔ بھوکے ہی سو جاتے تھے۔ جب میں نے اور میری بیوی نے دینِ الٰہی کو قبول کیا تو جگت گرُو کے حکم سے مجھے بہت اچھی ملازمت مل گئی۔ اب ہم اچھا کھاتے ہیں۔ اچھا پہنتے ہیں۔ ہمارے بچے بیمار نہیں رہتے۔ یہ دن رات کی خوشیاں ہمیں جگت گرو نے دی ہیں۔''

ایک عمر رسیدہ عورت نے چبوترے پر آ کر کہا۔ ''میری بہنو، بھائیو اور سجنو...! میری پانچ جوان بیٹیاں تھیں۔ کہیں سے کوئی رشتہ نہیں آتا تھا اور جو آتے تھے۔ وہ ہماری بیٹیوں میں عیب نکال کر چلے جاتے تھے۔ جب میں نے اور میری پانچوں بیٹیوں نے دینِ الٰہی کو سویکار کیا تو ہمارے دن پھر گئے۔ جگت گرُو کے حکم سے میری پانچوں بیٹیوں کے رشتے آئے۔ شاہی خزانے سے اتنی دولت ملی کہ میں نے بیٹیوں کو بھر بھر کے جہیز دیئے۔ میرے کوئی بیٹی ہندو سے، کوئی کسی سکھ سے اور کوئی کسی مسلمان سے بیاہی گئی۔ جگت گرُو کے دینِ الٰہی میں کسی بھی دین اور دھرم کا فرق نہیں ہے۔ ہندو، مسلمان اور سکھ سب ہی ایک ہیں۔ ہمارے درمیان ذات پات کا کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے۔''

پنڈت اپنے طور پر پرچار کر رہے تھے۔ زرخرید عالم حضرات اپنے طور پر تبلیغی فرائض ادا کر رہے تھے۔ جن عورتوں اور مردوں کو دینِ الٰہی میں شامل ہونے سے فائدے حاصل ہوئے تھے۔ وہ بھی عوام کے سامنے آ کر مہابلی جلال الدین اکبر کے گن گا رہے تھے اور اُسے اپنا جگت گرُو مان رہے تھے۔

ہزاروں، لاکھوں افراد کو نئے دین کی طرف مائل کرنا۔ اپنے آباؤ اجداد کے دین سے اور دھرم سے پھیر دینا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ لیکن جلال الدین اکبر نے اپنی دولت اور طاقت کے ذریعے اسے ممکن بنا دیا تھا۔

انسان کیا چاہتا ہے.....؟

تین وقت کی روٹیاں، اپنے بچوں کا مکمل تحفظ، جوان بیٹیوں کی شادیاں اور دن رات کا سکھ چین.... یہ سب کچھ جلال الدین اکبر انہیں مہیا کر رہا تھا۔ پھر لوگ کیوں نہ اس کے دین کی طرف کھنچے جاتے اور اسے قبول کرتے رہتے؟

جو کٹر پنڈت تھے اور جو خوفِ خدا رکھنے والے، بادشاہِ وقت سے نہ ڈرنے والے عالم حضرات تھے۔ وہ دینِ الٰہی کے خلاف آوازیں اٹھا رہے تھے۔ لیکن ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز بن گئی تھی۔ جو دینِ الٰہی کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے عوام کے سامنے آتا تھا۔ اُسے مجرم گردانا جاتا تھا۔ سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ سزائے موت بھی دے دی جاتی تھی۔

مہابلی اکبر کہتا تھا۔ ''ہم یہ نہیں چاہتے کہ جبراً ہمارا دینِ الٰہی قبول کیا جائے اور یہ بھی نہیں چاہتے کہ دینِ الٰہی کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔ اگر تم ہندو ہو تو ہندو رہو۔ مسلمان ہو تو مسلمان رہو۔ ایک نیا دین لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم دوسرے تمام مذاہب کی مخالفت کر رہے ہیں یا اُن سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ نہ ہم تمہارے دین دھرم پر تنقید کرتے ہیں، نہ ہمارے دینِ الٰہی پر تنقید کی جائے۔''

بے شمار زرخرید پنڈت اور زرخرید عالم حضرات ہندوستان کے گوشے گوشے میں جاتے تھے۔ دینِ الٰہی کا پرچار کرتے تھے۔ ہزاروں کا مجمع لگا کر مہابلی اکبر کا فرمان سناتے تھے اور وہ فرمان یہ تھا۔

''لوگو....! جب تم ایک دوسرے کے روبرو آؤ۔ تو سلام میں پہل کرنے والا اللہ اکبر کہے اور دوسرا جواب میں جلِ جلالہٗ کہے۔

لوگو....! کہا جاتا ہے کہ دنیا میں جتنے پیغمبر آئے سب اُمّی (اَن پڑھ) تھے۔ ہم بھی اُمّی ہیں۔ اے حق کے ماننے والو....! ہمارے دین میں گوشت خوری حرام ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ انسان اپنے میدے کو جانوروں کا قبرستان بنا لے۔

دوسرے دین اور دھرم میں کہا جاتا ہے کہ خدا یا بھگوان کی مرضی نہ ہونے کے باوجود شیطان انسانوں کو گمراہ کر دیتا ہے تو گویا ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ شیطان بھی خدا کے

برابر کوئی قوت ہے۔ جو اپنی مرضی سے انسان کو ورغلاتا رہتا ہے۔ ہماری عقل کہتی ہے' انسان خود اپنے اندر ایک شیطان ہے۔ خود کو کبھی گمراہ کرتا ہے اور کبھی راہِ راست پر لے آتا ہے۔

اے لوگو...! جس طرح جسم بیمار پڑتا ہے۔ اسی طرح عقل بھی بیمار پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا ہم اس کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے یہ دینِ الٰہی لائے ہیں۔"

اس میلے میں بھی پنڈت اور عالم حضرات مہابلی اکبر کا یہ فرمان پڑھ کر سنا رہے تھے۔ انجلی اپنی داسیوں کے ساتھ اس بھیڑ سے گزرتی جا رہی تھی۔ اسے مہابلی کے فرمان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا بھائی راج تِلک راٹھور اکبر کے لشکر میں امیرِ تُزک تھا۔ جب اس نے اور اس کے تمام گھر والوں نے دینِ الٰہی قبول کر لیا تو اسے ترقی دی گئی۔ لشکر میں گھڑ سواروں کی فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔

وہ اس بھیڑ سے گزر کر کچھ دور چلنے کے بعد نتھو کمہار کی بڑی سی دکان میں پہنچ گئی۔ وہاں دور تک مٹی کے برتن اور کھلونے رکھے ہوئے تھے۔ وہ اور اس کی داسیاں بڑی دلچسپی سے ان کھلونوں کو دیکھنے لگیں۔ انجلی یہ جانتی تھی کہ اسی ایرانی مسلمان نے وہ کھلونے بنائے ہیں۔

پھر اس نے انجان بن کر نتھو کمہار سے کہا۔ "ایسے خوبصورت کھلونے میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ یہ کون بناتا ہے؟ کہاں سے لاتے ہو؟"

جب سے وہ نتھو کمہار کے سامنے آئی تھی۔ وہ ایک طرف چپ چاپ کھڑا حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ آزر شیرازی نے ہو بہو اسی صورت شکل کی مورتی بنائی تھی۔ وہ بولا۔ "ایک ایرانی سنگ تراش ہے۔ وہی یہ سب کچھ بناتا ہے اور یہاں میرے ساتھ رہتا ہے۔"

انجلی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں ہے وہ....؟ مجھے تو نظر نہیں آ رہا ہے؟"

نتھو کمہار نے کہا۔ "کل شام وہ میرے پاس آیا تو کھویا کھویا سا تھا۔ مجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بس وہاں بیٹھ کر ایک مورتی بنانے لگا۔ اس پر عجیب دیوانگی طاری تھی۔ کل رات سے اس نے نہ کچھ کھایا' نہ پلک جھپکائی۔ بس مورتی بناتا رہا۔ کیا بتاؤں' وہ کیسی خوبصورت مورتی ہے؟ میں چالیس برس کا ہوں۔ میں نے اتنی لمبی عمر میں ایسی سندر

مورتی بناتے کسی کو نہیں دیکھا۔"

انجلی نے پوچھا۔ "کہاں ہے وہ مورتی...؟"

اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں۔ اس چھپر کے نیچے ہے۔ وہ دیوانہ کاریگر کل رات سے جاگ رہا تھا۔ اب گہری نیند سو رہا ہے۔"

نتھو کمہار نے سرکنڈوں کی چار دیواری سے ایک عارضی جھونپڑی بنائی تھی۔ انجلی اس جھونپڑی کے اندر آ گئی۔ آزر شیرازی ایک چارپائی پر گہری نیند سو رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی دل اُس کی طرف کھنچنے لگا۔ وہ دھیرے دھیرے ایک ایک قدم بڑھا کر اس کے قریب جانے لگی۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ اسے جی بھر کر دیکھنے کا اچھا موقع تھا اور وہ دیکھتی جا رہی تھی۔ پھر ایک داسی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ حیرت سے ہلکی سی چیخ مار کر بولی۔ "انجلی....! یہ تو تم ہو۔"

اس نے داسی کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے اس مورتی پر نظر گئی تو ایکدم سے چونک گئی۔ ایسا لگا' جیسے وہ اپنے ہی سامنے کھڑی ڈانڈیا کھیل رہی ہو۔

وہ شدید حیرانی سے اپنی مورتی کو دیکھ رہی تھی۔ وہی رنگ روپ تھا۔ وہی ناک نقشہ تھا۔ لباس کے سات رنگ بالکل اُسی طرح تھے۔ وہ کبھی اپنی مورتی کو اور کبھی اس خوابیدہ فنکار کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس نے ایک ہی رات میں اسے حسن کا شاہکار بنا دیا تھا۔

وہ مورتی کے قریب آ کر اسے انگلیوں سے چھونے لگی۔ یقین کرنے لگی کہ وہ اسی کی مورتی ہے۔ اس کی طرح زندہ نہیں ہے۔ مگر زندگی سے بھرپور لگ رہی ہے۔ اس نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ پھر اسی طرح اسے اٹھائے ہوئے جھونپڑی سے باہر آئی تو نتھو کمہار پریشان ہو کر بولا۔ "آپ اسے کیوں لے آئیں؟ یہ بیچنے کے لئے نہیں ہے۔ اس کاریگر کو اس کے ہزاروں مل سکتے ہیں۔ لیکن وہ دیوانہ اسے بیچنے کے لئے تیار نہیں ہے۔"

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ "وہ اسے بیچنا کیوں نہیں چاہتا؟"

نتھو کمہار نے کہا۔ "وہ کہتا ہے' اس نے اسے بیچنے کے لئے نہیں بلکہ دیکھ دیکھ کر

جینے کے لئے تراشا ہے۔"
وہ اس کی باتیں سن رہی تھی اور دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا۔" وہ تو میرا دیوانہ ہو گیا ہے۔ اس نے پیار کی انتہا کر دی ہے۔ ایک ہی رات میں ہو بہو میرا مجسمہ تراشا ہے۔"
پھر وہ اپنی مورتی کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔" ہماری ملاقات تو بہت ہی مختصر سی تھی۔ وہ چوڑیوں کی دکان پر ہوا کے جھونکے کی طرح آیا اور گزر گیا۔ یا حیرت.....! اُس لمحاتی ملاقات میں اُس نے میرے چہرے کا ایک ایک نقش اور بدن کے نشیب و فراز کا تمام جغرافیہ یاد کر لیا ہے؟ کیسا ہے یہ دیوانہ.....؟"
نتھو کمہار نے کہا۔" اسے لے جانا چاہتی ہیں تو اُسے جگائیں۔ وہ راضی ہو جائے تو قیمت ادا کر کے لے جائیں۔"
انجلی نے پوچھا۔" کیا تمہیں یہ نہیں لگتا کہ یہ میری مورتی ہے؟"
وہ بولا۔" میں نے تو آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ وہ آپ کا دیوانہ ہے۔ اس نے آپ کی ہی مورتی بنائی ہے۔"
" تو پھر اسے میں لے جا سکتی ہوں۔ کیونکہ یہ میں ہوں۔"
وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔" بھگوان کے لئے مجھ پر یہ ظلم نہ کریں۔ پہلے اسے جگائیں۔"
" میں چاہتی ہوں وہ نیند پوری کر لے۔ کیونکہ میرے لئے جاگتا رہا ہے۔"
اس نے اپنی مورتی ایک داسی کے ہاتھوں میں دی۔ پھر دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے تالی بجائی۔ دوسرے ہی لمحے میں دو مسلح سپاہی دوڑتے ہوئے چلے آئے۔ نتھو کمہار انہیں دیکھتے ہی سہم گیا۔
وہ بولی۔" ڈرو مت۔ میں سپہ سالار راج تلک راٹھور کی چھوٹی بہن ہوں۔ اسے کہہ دینا' جو چیز میری تھی اسے میں لے گئی ہوں۔"
اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ مورتی لی۔ اسے اپنے سینے سے لگایا۔ پھر بڑے شاہانہ انداز سے چلتی ہوئی نتھو کمہار کے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔ وہ بیچارہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔
جب وہ اپنے خیمے میں آئی تو ماتا پتا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ باپ نے

پوچھا۔" کیا بات ہے آج بڑی جلدی واپس چلی آئیں؟ میلہ نہیں دیکھنا ہے؟"
ماں نے پوچھا۔" کیا میلے سے دل اُچاٹ ہو گیا ہے؟"
وہ دل ہی دل میں بولی۔" یہ میلہ تو کیا' ساری دنیا اس کے بغیر اچھی نہیں لگ رہی ہے۔ اس دیوانے نے مجھے ایسا الجھایا ہے کہ وہی سلجھائے گا تو سلجھ پاؤں گی۔"
اس نے مورتی کو اپنی اوڑھنی سے ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ اسے ایک اونچے سے صندوق پر رکھ کر بے نقاب کرتے ہوئے بولی۔" آپ بوجھیں' یہ کون ہے؟"
ماتا پتا نے بڑے اچنبھے سے مورتی کو دیکھا۔ ان کے سامنے دوسری انجلی بالکل وہی لباس پہنے کھڑی ہوئی تھی۔ ایک سنگ تراش نے اتنی ہنر مندی سے وہ مورتی بنائی تھی کہ بدن کے کتنے ہی زاویے رقص کناں ہو گئے تھے۔ ڈانڈیا کھیلتے وقت جو مستی اور سرشاری چہرے سے عیاں ہوتی ہے۔ وہی تمام جذبات پکارتی ہوئی آنکھوں پر اور لبوں کی مسکان پر تھے۔
باپ نے بے اختیار کہا۔" واہ واہ۔ سنگ تراش نے تو کمال کا ہنر دکھایا ہے؟"
ماں نے پوچھا۔" یہ کہاں سے بنوائی ہے؟ کس نے بنائی ہے؟"
" یہاں میلے میں ایک ایرانی جوان آیا ہوا ہے۔ اسی نے مجھے مٹی کی مورت بنا دیا ہے۔ اتنی سندر بنا دیا ہے' جتنی میں نہیں ہوں۔"
باپ نے کہا۔" تم روز میلہ دیکھنے جاتی ہو۔ اس کے سامنے ڈانڈیا کھیلنے کے انداز میں کھڑی رہتی ہو گی اور وہ تمہیں دیکھ دیکھ کر مورتی بناتا چلا گیا ہو گا۔"
" نہیں پتا جی.....! وہ صرف دو گھڑی کے لئے میرے سامنے آیا تھا۔ پھر مجھے دیکھ کر چلا گیا تھا۔ جو سپاہی پورے میلے میں میری نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ اُن سے پوچھ لیں' میں کبھی اس کے پاس اپنی مورتی بنوانے نہیں گئی۔"
ماں نے کہا۔" سپاہی کہیں گے' تب بھی یہ بات ہماری بدھی میں نہیں آئے گی کہ کسی نے صرف دو گھڑی دیکھا اور تمہیں ہو بہو ویسا ہی بنا دیا۔"
وہ بولی۔" ماتا جی.....! کیا آپ نہیں جانتیں' یہ کلاکار کتنی گہری نظر رکھتے ہیں؟ جو سندرتا ان کے من کو بھا جاتی ہے۔ وہ اسے ایک نظر دیکھتے ہی اس کی پوری تصویر اپنے اندر اتار لیتے ہیں؟"

ماں نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم اس کلاکار کے من کو بھا گئی ہو؟''
وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ''اب میں کیا کہہ سکتی ہوں؟''
ماں باپ نے ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر باپ نے پوچھا۔ ''کیا وہ ہماری طرح راجپوت ہے؟''
''نہیں۔ میں نے ابھی کہا ناں' وہ ایک ایرانی جوان ہے اور ایران میں کوئی راجپوت نہیں ہوتا۔''
''اس کا مطلب ہے' وہ مسلمان ہے؟''
وہ ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی۔ ''مسلمان ہے۔ یہاں نتھو کمہار کی جھونپڑی میں رہتا ہے۔ اسے بڑے خوبصورت کھلونے بنا کر دیتا ہے اور وہ کھلونے ہاتھوں ہاتھ بکتے رہتے ہیں۔''
باپ نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''تم اس کے بارے بہت زیادہ جانکاری رکھتی ہو۔''
ماں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''سچ بتاؤ' تمہارے من میں کیا ہے؟''
وہ شرماتے ہوئے نظریں چراتے ہوئے بولی۔ ''میں۔ میں کیا بتاؤں؟ وہ مسلمان ہے.... اس کے آگے کچھ کہنے کو نہیں رہ جاتا۔''
باپ نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اور اس کے آگے کوئی بات نہ بڑھے تو اچھا ہے۔''
وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنی مورتی کے پاس آئی۔ پھر بولی۔ ''پتا جی....! ہم سب نے دینِ الٰہی کو مان لیا ہے اور مہابلی کو اپنا جگت گرو کہتے ہیں۔''
ماں نے کہا۔ ''ہاں۔ کہتے ہیں.... تو پھر؟''
وہ بولی۔ ''جگت گرو کا حکم ہے' ہم اپنے بیچ دین دھرم کو نہ لائیں اور ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ مل جل کر رہا کریں۔''
''یہ بات جگت گرو تک رہنے دو۔ وہ بادشاہ سلامت ہیں۔ انہوں نے راجپوت خاندان میں شادی کی ہے اور ان راجپوتوں نے اپنی بیٹی انہیں دے دی ہے۔ مگر ہم کسی مسلمان سے سمبندھ نہیں رکھنا چاہتے۔''

باپ نے کہا۔ ''یہ بات اپنے دماغ میں بٹھا لو کہ ہم نے جگت گرو کو خوش رکھنے کے لئے اس کے دینِ الٰہی کو مان لیا ہے۔ ایسا کرنے سے ہمارے بیٹے کی' تمہارے بھائی کی ترقی ہوگئی ہے۔ اسے فوج کے ایک حصے کا سپہ سالار بنا دیا گیا ہے۔''
ماں نے کہا۔ ''یہ بات بڑی چنتا میں ڈالنے والی ہے کہ کتنے ہی ہندو مسلمان لڑکے لڑکیاں آپس میں شادیاں کر رہے ہیں اور انہیں جگت گرو کا آشیرواد حاصل ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح تو ہمارا دھرم نشٹ ہو رہا ہے۔''
''دوسرے ایسا کرتے ہیں تو کرنے دو۔ ہم اپنے دھرم کو نشٹ نہیں ہونے دیں گے۔ یہ سوچتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ کبھی ہماری بیٹی کسی مسلمان کے پاس جا سکتی ہے۔''
انجلی اپنی مورتی اٹھا کر دوسرے خیمے میں جانا چاہتی تھی۔ باپ نے کہا۔ ''اسے یہیں رہنے دو۔ میں اُس کلاکار سے مل کر اس کے دام چکاؤں گا۔''
''وہ پھوٹی کوڑی بھی نہیں لے گا۔''
انجلی یہ کہتی ہوئی خیمے سے باہر چلی گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو تشویش بھری نظروں سے دیکھا۔ پھر ماں نے کہا۔ ''میں اس کی ماں ہوں۔ اس کے اندر کی بات کو سمجھ رہی ہوں۔ یہ نادان ہے۔ اس کی طرف جھکی ہوئی ہے۔''
انہوں نے داروغہ کو بلا کر حکم دیا۔ ''ہماری بیٹی پر کڑی نظر رکھو۔ کسی بھی انجانے آدمی کو اس سے ملنے نہ دو۔ کوئی زبردستی ملنا چاہے تو اسے پکڑ کر یہاں لے آؤ۔''
انجلی دوسرے خیمے میں آ کر سوچنے لگی۔ ''ماتا جی اور پتا جی ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ وہ بانکا جوان ہوا تو کیا ہوا؟ ہمارے راجپوت بھی کڑیل جوان ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کسی راجپوت کا رشتہ آئے گا تو میں اس مسلمان کو بھول جاؤں گی۔''
دماغ جو سوچتا ہے' دل اسے نہیں مانتا۔ وہ رات بھر بے چین رہی۔ کروٹیں بدلتی رہی اور پھر دوسرے دن دیر تک سوتی رہی۔ جب شام کو داسیوں کے ساتھ میلہ دیکھنے نکلی تو ایک داسی نے چپکے سے کہا۔ ''آج تمہاری سخت نگرانی کی جا رہی ہے۔ تمہارے پتا جی کا حکم ہے کہ کوئی انجانا آدمی نہ تمہارے سامنے آئے' نہ تم سے بات کرے۔''
اس نے کہا۔ ''میں بہت الجھن میں ہوں۔ اسے اپنے دل و دماغ سے نکال دینا

چاہتی ہوں۔مگر وہ تو آسن جما کر بیٹھ گیا ہے۔نکلنا ہی نہیں چاہتا۔میں تم سب کو داسیاں نہیں، سکھیاں سمجھتی ہوں۔مجھ سے کوئی ایسی بات بولو کہ من کو شانتی ملے۔"

ایک داسی نے کہا۔"محبت جتنی مہربان ہوتی ہے، اُتنی ہی ظالم بھی ہوتی ہے۔یہ من کو شانت رہنے نہیں دیتی۔"

دوسری نے کہا۔"دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔وہ بھی تمہارا دیوانہ ہے۔تم اس سے بچنا چاہو گی تو وہ پیچھا کرتا رہے گا۔"

انجلی نے پریشان ہو کر پوچھا۔"تو پھر میں کیا کروں؟"

"کسی بھی طرح اس سے ملاقات کرو۔اسے سمجھاؤ، ایسا محبوب بننے کا فائدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں اپنی دھرم پتنی نہیں بنا سکے گا؟ بہتر ہے، وہ آج ہی یہاں سے کہیں دور چلا جائے۔پھر تمہاری نظروں کے سامنے نہ آئے۔اس طرح اس کی جدائی میں کچھ دن تڑپتی رہو گی۔پھر صبر کرنا سیکھ لو گی۔"

"ہاں۔اس سے ملنا ہی ہو گا۔کچھ بولنا ہی ہو گا......مگر کیسے؟ میری نگرانی کرنے والے سپاہی اس سے ملنے نہیں دیں گے۔میں زبردستی کروں گی تو وہ اسے پکڑ کر پتا جی کے پاس لے جائیں گے۔"

ایک داسی نے کہا۔"تم ملنے ملانے کی بات مجھ پر چھوڑ دو۔جب وہ دکھائی دے گا تو میں تم سب سے الگ ہو کر اس سے اکیلے میں ملوں گی اور اسے اپنے ساتھ رام مندر کے پیچھے لے آؤں گی۔تم یہاں بھیڑ میں گم ہو کر کسی بھی طرح سپاہیوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر وہاں چلی آنا۔ادھر تمہیں کھل کر باتیں کرنے کا موقع ملے گا۔"

تھوڑی دیر بعد یہی ہوا۔آزر شیرازی دور سے آتا ہوا دکھائی دیا۔سپاہیوں نے اسے وہیں روک لیا۔اس سے کچھ کہنے لگے۔ایسے وقت وہ داسی انجلی سے بچھڑ کر بھیڑ میں گم ہو گئی۔ادھر آزر شیرازی سپاہیوں سے بحث کر رہا تھا۔ادھر انجلی اپنی باقی داسیوں کے ساتھ اس بھیڑ میں گم ہو گئیں، جہاں شاہی دربار سے آنے والے پنڈت اور مولوی حضرات دین الٰہی کا پرچار کر رہے تھے۔

جب آزر شیرازی مایوس ہو کر واپس جانے لگا تو سپاہیوں نے انجلی کی طرف توجہ

دی۔وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔اس کی داسیاں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔وہ تمام سپاہی تتر بتر ہو کر اسے تلاش کرنے لگے۔

وہ رام مندر کے پیچھے آئی تو آزر شیرازی اس کا منتظر تھا۔اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔انجلی اپنی اوڑھنی کو گھونگھٹ بنائے، سر جھکائے اس کے قریب آئی۔پھر بولی۔"میں بڑی مشکل سے سپاہیوں کو دھوکہ دے کر آئی ہوں۔تم نے میری مورتی بنائی ہے۔سمجھ میں نہیں آتا، تعریف کروں یا شکایت کروں؟"

وہ اسے بڑی چاہت سے دیکھتے ہوئے بولا۔"تعریف تو سب ہی کرتے ہیں۔تم شکایت کرو۔"

"تم صرف مورتی بناتے تو کوئی بات نہ ہوتی۔مگر تمہاری اس کلا کے پیچھے محبت ہے۔دیوانگی ہے۔جو مجھے رسوا کر رہی ہے۔"

"کیا رسوائی سے ڈرتی ہو؟"

"جس کام کا انعام نہ ملے اسے نہیں کرنا چاہیے۔میں راجپوت ہوں۔مجھ پر کسی مسلمان کا سایہ بھی پڑے گا تو راجپوتوں کی غیرت اسے گوارہ نہیں کرے گی۔"

"لیکن ان ہی راجپوتوں نے اپنی بیٹی بادشاہ اکبر کو دی ہے اور آج وہ ملکہ معظمہ کہلاتی ہے۔"

"وہ شہنشاہ جلال الدین اکبر ہیں۔اپنی رعایا کی تقدیر خود بناتے ہیں اور بگاڑتے ہیں۔ان کے حکم کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا۔"

آزر شیرازی نے کہا۔"بات صرف بادشاہ کی نہیں ہے۔دین الٰہی کو قبول کرنے والے کتنے ہی ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے شادیاں کر رہے ہیں۔تم ہندوؤں اور مسلمانوں کی غیرت کی بات نہ کرو۔حالات کے سامنے سب ہی کو جھکنا پڑتا ہے۔"

"میرے پتا جی اور میرے بھیا ٹوٹنا جانتے ہیں، جھکنا نہیں جانتے۔"

"باپ اور بھائی کی نہیں۔اپنی بات کرو۔تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

"میں اپنے باپ اور بھائی سے الگ نہیں ہوں۔ان کی گودوں میں پلی بڑھی ہوں۔پھر عقل بھی سمجھاتی ہے کہ تمہارا دین الگ ہے، میرا دھرم الگ ہے۔ہم صرف اس

طرح ایک ہو سکتے ہیں کہ تم میرے دھرم کو سویکار کر لو۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے انجلی کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اگر تمہارے علاوہ اور دو چار لڑکیوں سے محبت کرنے لگوں تو تمہارے دل پر کیا گزرے گی؟ کیا یہ تمہیں اچھا لگے گا؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "کبھی نہیں۔ میں چاہوں گی کہ میرا چاہنے والا صرف ایک ہو اور میں اس سے صرف محبت نہ کروں اس کی پرستش بھی کروں۔"

"اسی طرح میں چاہتا ہوں کہ ایک خدا کی عبادت کرتا رہوں۔ دس خداؤں کی نہیں۔ تمہارے دھرم میں کتنے ہی بھگوان ہیں۔ کتنوں کی مورتیاں بنتی ہیں اور کتنوں کو ہی پوجا جاتا ہے۔"

"تم ہمارے دھرم کو غلط سمجھ رہے ہو۔ ہم صرف ایک ایشور کو مانتے ہیں۔"

"اور ایک ایشور کے علاوہ دوسروں کی بھی پوجا کرتے ہو وہ سب کون ہیں؟"

وہ بولی۔ "بھگوان صرف ایک ہی ہے۔ لیکن اس کے دس اوتار ہیں۔ یعنی بھگوان کبھی برہما کے روپ میں، کبھی وشنو کے، کبھی شنکر بھگوان کے اور کبھی کرشن مراری کے روپ میں آتا ہے۔"

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر میں قائل کروں تو تمہیں قائل ہو جانا چاہئے۔ گیتا کے ادھیائے دس اور شلوک سات میں کرشن جی، ارجن سے فرماتے ہیں۔

سُن ارجن! میں ہوں بیج ہر ہست کا
میں وہ بیج ہوں جو نہ ہوگا فنا
میں دانش ہوں ان کی جو ہیں ہوشیار
میں تادش ہوں ان کی جو ہیں تابعدار

پھر ادھیائے اٹھارہ اور شلوک نو میں کرشن جی کہتے ہیں۔

میں آقا، میں والی، بجن میں گواہ
میں منزل، میں مسکن، میں جائے پناہ
میں آغاز و انجام و گنج و مقام
میں وہ بیج ہوں جو رہے گا مُدام"

پھر اس نے پوچھا۔ "کیا ان شلوک سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہمارا بھی بھگوان ایک ہے۔ ایک ہی بیج ہے۔ ایک ہی بنیاد ہے۔ باقی جو دیوتا ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے تمہاری آسمانی کتابوں کے مطابق پیغمبر دنیا میں آتے رہے ہیں؟"

آزر نے مسکرا کر کہا۔ "ہمارے جتنے بھی پیغمبر آتے رہے ان کی پوجا کسی نے نہیں کی۔ ہمارے یہاں صرف ایک خدا کی عبادت کی گئی۔ ایک ہی خدا کے آگے سجدہ کیا گیا اور آج بھی ہم مسلمان یہی کرتے ہیں۔ مگر تمہارے یہاں جو بھی بھگوان کا اوتار لے کر آتا ہے اس کے سامنے سر جھکا دیا جاتا ہے۔ اس کی پوجا کی جاتی ہے۔"

وہ اس کا منہ تک رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ابھی تم نے کہا ہے کہ ارجن سے کرشن جی کہہ رہے تھے 'سن ارجن! میں ہوں بیج ہر ہست کا۔ یعنی کرشن جی خود کو بیج کہہ رہے ہیں۔ بنیاد کہہ رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں خود کو بھگوان کہہ رہے ہیں۔ تمہارے دھرم میں جتنے بھی اوتار آئے انہوں نے خود کو بھگوان سمجھ کر اپنی پوجا کرائی۔ مگر ہمارے جتنے بھی پیغمبر آئے، انہوں نے کبھی نہ خود کو خدا کہا نہ اپنے آگے کسی سے سجدہ کرایا۔"

وہ آزر کی بات ماننے کو تیار نہیں تھی۔ کچھ ناراض ہو کر بولی۔ "تم تو بحث کرنے لگے ہو۔"

"میں تم سے دین اور دھرم کے بارے میں کوئی بحث نہیں کروں گا۔ صرف ایک آخری بات کہتا ہوں۔ ہمارے قرآن مجید میں سورۃ الکٰفرون آیت چھ (۶) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

کہہ دو اے کفار! میں ان کو نہیں ہوں پوجتا
پوجتے ہو تم جنہیں، اللہ برتر کے سوا
پوجتا ہوں میں جسے، اس کو نہیں تم پوجتے
اور جس کو پوجتے ہو تم نہ میں پوجوں اسے
پوجتا ہوں میں جسے، تم اس کو پوجو گے نہیں
تم کو اپنا دیں مبارک، اور مجھ کو اپنا دین

آزر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "بس۔ اب دین اور دھرم کی نہیں۔ دل اور دلدار کی باتیں کرو۔"

وہ ذرا ناراض سی ہو کر بولی۔ ”ہماری سوچ الگ ہے۔ ہمارے راستے الگ ہیں۔ ہم کبھی ایک نہیں ہو سکیں گے۔“

”ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور دل ایک ہو گئے۔ آئندہ بھی ہم چاہیں یا نہ چاہیں۔ ہمارے ایک ہونے کے راستے ہموار ہوتے رہیں گے۔“

”اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو؟ کیا تم جیوتشی بھی ہو؟“

”میں تمہیں پورے یقین سے اور مکمل اعتماد سے چاہتا ہوں۔ یہ کسی جیوتشی کی نہیں، میرے دل کی آواز ہے۔ میرا دل ایک اور پیشگوئی بھی کرتا ہے۔ تم یہاں سے جاؤ گی تو میرے پیار سے انکار پر پچھتاؤ گی۔ بہت پچھتاؤ گی...... جاؤ اور آزما لو۔“

وہ منہ پھیر کر جاتے ہوئے بولی۔ ”اونہہ.... میں ملنے آ گئی ہوں تو پتہ نہیں خود کو کیا سمجھ رہے ہو؟“

وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے بولا۔ ”میں خود کو تمہارے جسم و جان کا مالک سمجھ رہا ہوں۔ تم میری زندگی ہو۔ یاد رکھو میری امانت ہو۔ خیانت نہیں کرو گی۔ اپنے وجود کا سارا مال و اسباب میرے لئے سنبھال کر رکھو گی۔“

انجلی کے دل سے ایک ہائے نکلی۔ ”ہائے! کیسا ضدی اور سر پھرا ہے؟ یہ زندگی میری ہے، یہ وجود میرا ہے۔ مگر میرا سب کچھ اپنے نام کر رہا ہے۔“

وہ تو پہلی ہی نظر میں اس کی ہو گئی تھی۔ اب اس کی باتیں سن کر اور متاثر ہو رہی تھی۔ لیکن زبان سے انکار کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ ”مجھے اپنی جائیداد سمجھنے والے! جب میرا سپہ سالار بھیا آئے گا، تب تمہیں معلوم ہو گا کہ ہم راجپوت کیا ہوتے ہیں؟ وہ تمہارا سر تن سے جدا کر دے گا۔ تم حرام موت مرو گے۔“

”اسے حرام موت نہ کہو۔ محبت کرنے والے شہید ہوتے ہیں۔ یہ شہید موت کے بعد بھی نہیں مرے گا۔ تمہارے اندر ہمیشہ زندہ رہے گا۔“

وہ باتوں کی دھن میں مندر کے پیچھے سے نکل آئے۔ پیار بھری تکرار میں ایسے الجھے تھے کہ چھپ چھپا کر ملنے والی بات نہیں رہی تھی۔ دو مسلح سپاہی انجلی کو تلاش کرتے ہوئے ادھر آ گئے تھے۔ ایک نے چیخ کر دوسرے سے کہا۔ ”وہ رہی راجکماری.... اور وہ بد

بخت مسلمان بھی ان کے ساتھ ہے۔“

وہ دونوں تلواریں سونت کر ان کی طرف دوڑے چلے آئے۔ ایک نے آزر کے سینے پر تلوار کی نوک رکھتے ہوئے کہا۔ ”تو ہمیں دھوکہ دے کر راجکماری کو بہکا کر یہاں لے آیا ہے۔“

انجلی نے آگے بڑھ کر اس کے تلوار والے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”اسے ہٹاؤ... میں نادان بچی نہیں ہوں کہ یہ مجھے بہکانے آ جائے گا۔ میں اپنی مرضی سے یہاں آئی ہوں۔“

دوسرے سپاہی نے کہا۔ ”ہم بحث نہیں کریں گے۔ آپ کے پتا جی کا حکم ہے کہ یہ آپ کے ساتھ دیکھا جائے تو اسے گرفتار کر لیا جائے۔“

وہ آزر کے سامنے ڈھال بنتے ہوئے بولی۔ ”نہیں۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں اسے گرفتار نہیں ہونے دوں گی۔“

پھر وہ پلٹ کر آزر سے بولی۔ ”میں جانتی تھی، بھید کھلے گا تو یہی ہو گا۔ تمہیں گرفتار کر کے کال کوٹھری میں ڈال دیا جائے گا۔ میرے بھیا آئیں گے تو وہ تمہاری گردن ہی اڑا دیں گے۔“

ایک سپاہی نے کہا۔ ”آپ ہمارے لئے مشکل پیدا کر رہی ہیں۔ ہم اسے بھاگنے نہیں دیں گے۔“

آزر نے اچانک ہی انجلی کو اپنے سامنے سے ہٹاتے ہوئے تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈالا۔ سپاہی کی کلائی کو گرفت میں لے کر اس طرح جھٹکا دیا کہ وہ گھوم کر اس کے سامنے ڈھال بن گیا۔ ایسے ہی وقت دوسرے سپاہی نے اس پر حملہ کیا تو وہ ڈھال بننے والا سپاہی زخمی ہو گیا۔ آزر نے زخمی سپاہی کی تلوار چھین کر مقابل کے حملے کو اپنی تلوار سے روکا۔ پھر ان کے درمیان تلوار بازی شروع ہو گئی۔

انجلی مطمئن ہو کر دیکھ رہی تھی کہ وہ سنگ تراش سپہ گری کا ہنر بھی جانتا ہے۔ پھر بھی وہ پریشان ہو کر کہہ رہی تھی۔ ”اس سے پیچھا چھڑاؤ۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ کہیں دور چلے جاؤ۔ یہ لوگ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

وہ درست کہہ رہی تھی۔ایسے وقت مزید تین سپاہی دوڑتے ہوئے چلے آئے۔آزر نے انہیں دیکھا پھر بڑی برق رفتاری سے مقابلہ کرنے والے کی تلوار پر بھرپور وار کیا۔سپاہی لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔آزر موقع ملتے ہی وہاں سے پلٹ کر ان سے دور بھاگتا چلا گیا۔ایسے وقت چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔"انجلی.....!میں آؤں گا۔ضرور آؤں گا۔تم میرے لئے پیدا ہوئی ہو۔میں تمہیں کسی اور کی جھولی میں نہیں جانے دوں گا۔"

چار سپاہی اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔اس کی آواز دور ہوتی جارہی تھی اور وہ نظروں سے اوجھل ہوتا جارہا تھا۔انجلی نے دل کی جگہ سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔سوچنے لگی۔"اب کیا ہوگا؟یہ تو کسی طرح نہیں بچے گا۔آخر بھاگ کر کہاں جائے گا؟بھیا تو سپہ سالار ہیں۔پورا لشکر اس کے پیچھے لگا دیں گے۔"

اس کی داسیاں دوڑتی ہوئی چلی آئی تھیں۔اس کی پریشانی کو سمجھ رہی تھیں۔ایک نے کہا۔"بس ایک ہی راستہ ہے۔ابھی جا کر اپنے پتا جی کے قدموں میں گر پڑو۔اس کے لئے معافی چاہو گی تو شائد وہ اسے معاف کردیں گے۔زیادہ سے زیادہ یہی حکم دیں گے کہ وہ تمہاری نظروں سے دور چلا جائے۔پھر کبھی ادھر نہ آئے۔"

وہ داسیوں کے ساتھ تیزی سے چلتی ہوئی اپنے ماتا پتا کی طرف جانے لگی۔ادھر وہ اپنی سلامتی کے لئے بھاگ رہا تھا۔کبھی کبھی کوئی سپاہی قریب آجاتا تو اس سے مقابلہ کرکے پیچھا چھڑا کے پھر بھاگنے لگتا۔

وہ بھاگنے والا اور وہ تعاقب کرنے والے میلے کے جس حصے سے گزر رہے تھے۔وہاں خوف وہراس طاری ہورہا تھا۔عورتیں،مرد،بچے سب ہی دہشت کے مارے چیختے چلاتے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔نہ آزر شیرازی سے کوئی ہمدردی کرسکتا تھا۔نہ اس کی حمایت میں کوئی بول سکتا تھا۔سب ہی مسلح سپاہیوں سے سہمے ہوئے تھے۔

وہ بھی سمجھ رہا تھا کہ ابھی چار سپاہی پیچھے لگے ہیں۔اس سے پہلے کہ ان تعداد بڑھتی جائے انہیں جُل دے کر کہیں چھپ جانا چاہئے۔لیکن کہاں چھپے گا؟سب ہی کو اپنی جان پیاری تھی۔کوئی انسانیت کے ناتے بھی اسے چھپانے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔

اور وہ نتھو کمہار کے پاس جا کر اس کے لئے مصیبت بننا نہیں چاہتا تھا۔وہ دوڑتا جا

رہا تھا اور یہ دعا مانگتا جارہا تھا کہ کسی طرح اسے ایک گھوڑا مل جائے۔پھر فرار ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔پیدل تعاقب کرنے والے سپاہی پیچھے ہی رہ جائیں گے۔

دعا قبول ہوگئی۔گھوڑا تو نہ ملا۔مگر وہ دوڑتے دوڑتے اُن شاہی خیموں کی طرف چلا آیا۔جہاں شاہی دربار سے آنے والے پنڈت اور علماء قیام کررہے تھے۔اس نے حاضر دماغی سے سوچا۔"فی الحال ایسے ہی علماء اور پنڈتوں سے تحفظ حاصل ہوسکتا ہے۔ان کے سامنے جھوٹ سچ بول کر ہی اپنا بچاؤ کرسکوں گا۔"

وہ تلوار پھینک کر دوڑتا ہوا ایک بڑے سے خیمے میں گھس آیا۔وہاں کتنے ہی علماء اور پنڈت بیٹھے ہوئے یہ حساب کررہے تھے کہ انہوں نے اب تک میلے میں کتنی عورتوں اور مردوں کو دین الٰہی کی طرف مائل کیا ہے؟سینکڑوں کی تعداد میں غریبوں اور محتاجوں نے دین الٰہی میں شامل ہونے کے لئے اپنے اپنے نام لکھوائے تھے۔

ہزاروں کی تعداد میں ایسے امیر کبیر حضرات نے بھی اپنے نام لکھوائے تھے جو دین الٰہی قبول کرکے بادشاہ اکبر جگت گرو سے تجارتی سہولتیں حاصل کرنا چاہتے تھے۔دین الٰہی کے بہانے جگت گرو کی قربت حاصل کرکے اپنی حسین بہنوں اور بیٹیوں کو حرم سرا میں پہنچانا چاہتے تھے۔اس طرح وہ شاہی خاندان کا ایک حصہ بن سکتے تھے۔

علماء اور پنڈتوں نے ان سب کے نام اور پتے لکھ کر ایک طویل فہرست تیار کی تھی۔ان سب کو شاہی اخراجات پر دہلی جانے کا حکم دیا گیا تھا۔دس دنوں بعد لاکھوں کے اجتماع میں مہابلی درشن دینے والے تھے اور جگت گرو کی حیثیت سے ان سب کو اپنا مُرید بنانے والے تھے۔

آزر شیرازی اپنے قدموں سے دھماکے پیدا کرتا ہوا خیمے کے اندر آیا تو ان سب نے چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔فوراً ہی دست بستہ ہوکر سر جھکاتے ہوئے بولا۔"اجازت کے بغیر اندر آنے کی معافی چاہتا ہوں۔مگر حالات سے مجبور ہوں۔سپہ سالار راج تلک راٹھور کے سپاہی میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

ایک پنڈت نے کہا۔"وہ یونہی تو پیچھے نہیں پڑے ہوں گے۔تم نے ضرور کوئی جرم کیا ہے؟"

''میں نے جرم نہیں۔ محبت کی ہے۔ آپ حضرات دین الٰہی کی تبلیغ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہندو' مسلمان' سکھ' راجپوت' مراہٹے' بنگالی' مدراسی سب آپس میں متحد ہو کر رہیں۔ ایک دوسرے کو گلے لگائیں۔ ایک دوسرے سے رشتے داری کریں۔ ہندو مسلمانوں سے اور مسلمان ہندوؤں سے رشتہ داری کرتے رہیں گے تو آپس کی نفرتیں ختم ہو جائیں گی۔ میں بھی ایک راجپوت لڑکی سے محبت کر رہا ہوں۔ لیکن اس کے نتیجے میں مجھے مجرم سمجھا جا رہا ہے۔ کچھ سپاہی مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ حضرات کی پناہ میں آیا ہوں۔''

ایک پنڈت نے کہا۔ ''ہماری نہیں۔ جگت گرو کی پناہ میں آؤ تو کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔''

اس نے کہا۔ ''اگر جگت گرو کا دین میرے دین کی نفی نہیں کرتا ہے تو پھر میں اُن کا مرید بن جاؤں گا۔''

ایک عالم نے کہا۔ ''ہم تمہیں دین الٰہی کے بارے میں پوری تفصیل سے سمجھائیں گے۔ یہ بتاؤ' اگر تم کسی راجپوت لڑکی سے محبت کرتے ہو تو سپاہی تمہیں کیوں گرفتار کرنا چاہتے ہیں؟''

''اس لئے کہ میری محبوبہ سپہ سالار راج تلک راٹھور کی چھوٹی بہن ہے۔''

یہ سنتے ہی وہ سب چونک گئے۔ ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ پھر ایک عالم نے وہاں کھڑے ہوئے خادم سے کہا۔ ''اسے ہمارے خیمے میں لے جاؤ۔ اگر سپاہی اس کی تلاش میں یہاں آئیں تو انہیں ہمارے پاس لے آؤ۔''

پھر اس نے آزر شیرازی سے کہا۔ ''تم پناہ حاصل کرنے کے لئے صحیح جگہ آئے ہو۔ ہمارے خیمے میں جا کر آرام کرو۔ چاہو تو گہری نیند سو جاؤ۔ ہم اپنے معاملات سے نمٹنے کے بعد تم سے بات کریں گے۔''

آزر شیرازی اُس خادم کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ایک عالم نے طنزیہ انداز میں حقارت سے کہا۔ ''سپہ سالار..... راج تلک راٹھور..... اب آئے گا اونٹ پہاڑ کے نیچے.....''

ایک پنڈت نے کہا۔ ''اس نے جگت گرو سے کہہ کر میری بہن کی شادی ایک مسلمان سے کرا دی اور اپنی بہنوں کی باری آنے سے پہلے ہی انہیں راجپوت خاندان میں بیاہ دیا۔ یہی ایک چھوٹی بہن رہ گئی ہے۔''

ایک عالم نے کہا۔ ''میری بیٹی کی شادی بھی ایک راجپوت سے ہو گئی۔ اس میں بھی اسی کم بخت راج تلک راٹھور کا ہاتھ تھا۔ اب وہ ہمارے نشانے پر آیا ہے۔ ہم دہلی پہنچتے ہی جگت گرو سے بات کریں گے اور اس کی بہن کو اس مسلمان کے حوالے ضرور کریں گے۔''

ایک پنڈت نے کہا۔ ''لیکن ہمارے جگت گرو اسی وقت ہماری بات مانیں گے جب یہ مسلمان دین الٰہی قبول کرے گا۔''

دوسرے عالم نے کہا۔ ''اس کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ وہ اس راجپوت لڑکی کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا من کی مراد پانے کے لئے جگت گرو کے مریدوں میں ضرور شامل ہونا چاہے گا۔''

آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے والی بات تھی۔ آزر ایک محفوظ پناہ گاہ میں آیا تھا۔ اسے سلامتی بھی ملتی اور شائد انجلی بھی مل جاتی۔ لیکن اس کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش سے گزرنا تھا۔ دین الٰہی قبول کرنے کے لیے اپنے دین اسلام سے پھر جانا تھا۔ حالات کہہ رہے تھے کہ اسے پھرنا ہی ہوگا۔ اب پتہ نہیں' اس کا ایمان کیا کہنے والا تھا؟

☆☆☆

دربارِ خاص میں وہ خاص مشیر' امراء' رؤسا' پنڈت' علماء' سکھوں کے سردار اور آتش پرستوں کے پیشوا اپنی اپنی نشستوں پر براجمان تھے اور تختِ شاہی پر مہابلی جلال الدین اکبر رونق افروز تھا۔ دین الٰہی کو ہندوستان کے گوشے گوشے تک پھیلانے کے لیے وہاں روز دربارِ خاص لگا کرتا تھا۔ بادشاہ سلامت کے سامنے یہ حساب پیش کیا جاتا تھا کہ کس طرح روزانہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ دین الٰہی کو قبول کر رہے ہیں۔

بادشاہ اکبر کے قریب بیٹھے ہوئے راجہ مان سنگھ نے کہا۔ ''یہ ناچیز جگت گرو کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''عرض کرو۔''

مان سنگھ نے کہا۔'' سب ہی دیکھ رہے ہیں کہ ہم جیسے چند جانباز جانثار آپ کے دین الٰہی کو سچے دل سے قبول کر رہے ہیں۔لیکن ایسے لوگوں کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں میں ہے جو حالات سے مجبور ہو کر یا غریبی سے تنگ آ کر جگت گرو کے مرید بن رہے ہیں۔اس طرح انہیں روزگار حاصل ہوتا ہے۔اتنی رقمیں ملتی ہیں۔وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی شادیاں کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے جو مہابلی کے رعب و دبدبے سے مرعوب ہیں اور خوفزدہ ہو کر دین الٰہی کو قبول کرتے ہیں۔''

بادشاہ نے ابوالفضل کی طرف دیکھا۔وہ مہابلی کا دست راست تھا اور اس کا سب سے زیادہ قابل اعتماد مشیر تھا۔ابوالفضل نے راجہ مان سنگھ سے کہا۔'' یہ آپ نے درست کہا کہ لوگ بادشاہ سلامت سے خوفزدہ ہو کر دین الٰہی قبول کر رہے ہیں۔ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ خوف ہے کیا چیز...؟ جب تک انسان کے دل میں خوف نہ ہو' وہ بزرگوں کی اطاعت نہیں کرتا۔بچہ پہلے ماں باپ سے ڈرتا ہے۔تب ہی ان کے ہر حکم پر سر جھکاتا ہے۔مکتب جا کر استاد سے ڈرتا ہے اسی لئے پڑھائی میں جی لگاتا ہے۔کہیں نوکری کرنے جاتا ہے تو اپنے مالک سے ڈرتا ہے' پوری دیانتداری سے اس کی خدمت کرتا ہے۔رعایا بادشاہ سلامت سے خوف کھاتی ہے' اسی لئے بادشاہ کے ہر قانون کی پابند رہتی ہے۔جو پابندی نہیں کرتے۔بغاوت کرتے ہیں' انہیں قرار واقعی سزا ملتی ہے۔اس طرح وہ خوفزدہ ہو کر پھر بادشاہ کی اطاعت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔''

بادشاہ اکبر تحسین آمیز نظروں سے ابوالفضل کو دیکھ رہا تھا۔وہ کہہ رہا تھا۔'' ساری دنیا کے مذہب والے اپنے خدا سے' اپنے بھگوان سے' اپنے پرمیشور سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہ رحمان اور رحیم بھی ہے۔قہار اور جبار بھی ہے۔اگر وہ قہر نازل نہ کرے تو کوئی اس سے نہ ڈرے۔ہمارے مہابلی' ہمارے جگت گرو رحم بھی کرتے ہیں اور قہر بھی نازل کرتے ہیں۔لوگ اسی کے آگے سجدہ کرتے ہیں جس سے ڈرتے ہیں۔اسی لئے حکم ہے کہ جگت گرو کے سامنے آ کر سجدہ کیا جائے اور لوگ سجدے کرتے ہیں' اس لئے کہ ان کے دلوں میں جگت گرو کا خوف سایا رہتا ہے۔خدا ہو' بھگوان ہو یا جگت گرو ہوں۔بڑی قوت کے آگے سجدہ کرنا ہی پڑتا ہے اور لوگ کر رہے ہیں۔''

راجہ مان سنگھ نے کہا۔'' دین الٰہی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس دین نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کھڑی ہوئی دیوار گرا دی ہے۔ہندو مسلمان عورتوں سے اور مسلمان ہندو عورتوں سے شادیاں کر رہے ہیں۔آپ بھی اپنے شہزادوں کی شادیاں ہندو گھرانوں میں کر رہے ہیں۔لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ہندو گھرانوں سے بہوئیں تو لا رہے ہیں مگر کسی ہندو کو اپنا داماد نہیں بنا رہے ہیں۔اپنی کسی شہزادی کی شادی ہندو گھرانے میں نہیں کر رہے ہیں۔اس کی کیا وجہ ہے؟''

ابوالفضل نے جواب دیا۔'' ایک ہی وجہ ہے۔بادشاہ سلامت کے شاہی خاندان کی برابری کرنے والا کوئی ہندو گھرانہ ہو تو وہاں سے داماد لایا جا سکتا ہے۔پورے ہندوستان میں جتنے راجے مہاراجے ہیں۔وہ سب ہی مہابلی سے کم تر ہیں۔آپ خود ہی سوچیں کیا کسی کم تر کو داماد بنایا جا سکتا ہے؟''

اس جواب سے راجہ مان سنگھ کو قائل ہونا پڑا۔کیونکہ کوئی راجہ مہاراجہ بادشاہ وقت کی برابری کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔وہاں ایک مقررہ وقت تک خاص دربار لگا رہا۔جب دربار برخاست ہوا تو ایک ایک کر کے سب چلے گئے۔صرف ابوالفضل رہ گیا۔

اکبر نے کہا۔'' ہم نے تمام مذاہب کے پیشواؤں کو بلا کر ہفتوں اور مہینوں ان سے دین دھرم کے معاملات پر بحث کی۔ان سب کے نظریات کو اچھی طرح سمجھا۔تب تم نے مشورہ دیا کہ ان تمام مذاہب کو ملا کر ایک مذہب بنانا چاہئے۔ایسا مذہب جو ہماری چھتر چھایا میں پھلتا پھولتا رہے اور امن و امان قائم کرنے کے لئے تمام لوگوں کو متحد کرتا رہے۔''

ابوالفضل نے کہا۔'' مہابلی! ہر دور میں مذہب کو ہتھیار بنا کر حکومت کی گئی ہے۔لوگ ایک خدا کو مانتے ہوں یا دس خداؤں کو پوجتے ہوں۔ان سے ہمیں کیا لینا ہے؟ آپ کو تو عوام کے مذہبی جذبات سے کھیلنا ہے اور حکومت کرتے رہنا ہے۔''

بادشاہ اکبر نے تائید میں کہا۔'' بے شک۔ہماری سیاسی بصیرت کو علماء نہیں سمجھ سکتے۔''

'' علماء ہوں یا پنڈت ہوں۔وہ اپنے دین دھرم سے آگے دنیا کو سمجھ ہی نہیں پاتے۔آپ نے راجہ بہاری مَل کی صاحبزادی سے شادی کی تو راجپوتوں کی ایک بہت بڑی جماعت آپ کی حامی ہو گئی۔وہ جنگجو راجپوت آپ کے لشکر کا حصہ بن گئے۔ایک عظیم بادشاہ

نے ایک ہندو راجکماری سے شادی کی۔ اس طرح ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد پڑ گئی۔"

"ہم اپنے شہزادوں کے سلسلے میں بھی یہی کر رہے ہیں۔ ریاست جودھ پور ابتداء ہی سے ہم مغلوں کے خلاف برسرِ پیکار رہی ہے۔ وہ ہم سے شکست کھاتے ہیں۔ پھر بھی سر اٹھاتے رہتے ہیں۔ ہم نے سوچا' انہیں بالکل ہی شکستہ کر دینا چاہئے۔ ہماری سیاسی حکمت عملی یہ رہی کہ ہم نے راجہ جودھ پور کو زنجیریں نہیں پہنائیں۔ بلکہ اسے رشتوں کے بندھن میں باندھ دیا۔ اپنے ولی عہد جہانگیر سے اس کی بیٹی کا رشتہ کر دیا۔"

ابوالفضل نے کہا۔ "ہندوستان کی تاریخ میں یہ حقیقت سنہری حروف سے لکھی جائے گی کہ آپ نے راجپوتوں کو مرہٹوں کو تلواروں کے زور سے نہیں رشتوں کی ڈور سے باندھا ہے۔"

"بے شک۔ ہمارے ولی عہد جہانگیر کی پہلی بیوی مان بائی ہے۔ دوسری بیوی جگت گوسائیں' تیسری کرم سی ہے' چوتھی بیوی دریا بلھاس کی بیٹی اور پانچویں راجا راول بھیم کی لڑکی ہے۔ جہانگیر کے علاوہ ہم نے دوسرے شہزادوں کی شادیاں بھی جن راجاؤں اور مہاراجاؤں کے یہاں کیں۔ وہ سب ہمارے مطیع اور فرمانبردار بنتے چلے گئے۔ مگر افسوس..."

ابوالفضل نے بادشاہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ "ہمارا ولی عہد جہانگیر ہماری حکمت عملی کو نہیں سمجھتا ہے۔ اس بار سلیم زین کوکہ کی لڑکی پر فدا ہو گیا ہے۔ اسے سمجھنا چاہئے' حالات کا تقاضہ یہی ہے کہ ہندوؤں سے شادیاں کی جائیں' انہیں اپنا بنا کر جنگ و جدل سے گریز کیا جائے۔ اس طرح ہماری سلطنت وسیع ہوتی رہے گی۔"

ابوالفضل نے کہا۔ "ولی عہد ہم سے بدظن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں' دینِ الٰہی کی ابتداء ہم نے کرائی ہے اور ہندو مسلم اتحاد کا جیتا جاگتا ثبوت پیش کرنے کے لئے ان کی اور دوسرے شہزادوں کی شادیاں ہندو لڑکیوں سے کرائی جا رہی ہیں۔ ولی عہد آپ سے بھی ناراض ہیں۔ ہماری آپ سے التجا ہے' زین کوکہ کی بیٹی سے اُن کی شادی کرا دیں۔ ایک دو شادیاں مسلمان گھرانوں میں بھی ہو جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

بادشاہ نے اس کی بات مان لی۔ جہانگیر کی پسند کے مطابق اس کی شادی زین

کوکہ کی بیٹی سے کرا دی۔ ابوالفضل چاہتا تھا کہ اس کے اور جہانگیر کے درمیان محاذ آرائی نہ ہو۔ آئندہ وہ ہندوستان کا شہنشاہ بننے والا تھا۔ اس کی عقل کہتی تھی کہ جہانگیر کو اپنا بنائے رکھنا چاہئے۔ لیکن اس کی ذہانت اور اس کی سوچ کے خلاف جہانگیر اسے اپنا اور اکبر بادشاہ کا بدترین دشمن سمجھتا تھا۔

ابوالفضل دشمن تو نہیں تھا۔ لیکن بادشاہ کی نظروں میں جو بلند مقام حاصل ہو گیا تھا۔ اسے قائم رکھنے کے لئے ہیرا پھیری کرتا رہتا تھا۔ درپردہ اس کی یہ کوشش بھی تھی کہ اکبر کے دوسرے شہزادے خسرو کو تاج و تخت مل جائے تو شہزادہ نورالدین جہانگیر بے اثر ہو جائے گا۔ پھر اس کی عداوت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

ایک بار ابوالفضل بادشاہ اکبر کے ساتھ دکن کی طرف روانہ ہونے والا تھا۔ اس سے پہلے اس نے بادشاہ کے کان بھرے اور کہا۔ "مہابلی! آپ کے یہاں سے جاتے ہی شہزادہ سلیم (جہانگیر) بغاوت کر کے تاج و تخت پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔"

بادشاہ اپنے ولی عہد شہزادہ سلیم (جہانگیر) کو دل و جان سے چاہتا تھا اور پیار سے ہمیشہ شیخو بابا کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ اس نے اسے بلا کر پوچھا۔ "شیخو بابا! کیا اپنے باپ سے ناراض ہو؟"

اس نے کہا۔ "آپ کا یہ فرزند آپ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضور کی حکمت عملی سمجھ میں نہیں آتی۔ ابوالفضل نے آپ کو دینِ اسلام سے پھیر دیا ہے۔ شہزادوں کو بھی آپ کی نظروں میں کمتر بنا دیا ہے۔ ہم اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے مشورے کے مطابق آپ ہماری شادیاں ہندو گھرانوں میں کراتے ہیں۔ کسی دن وہ آپ سے کہے گا' ولی عہد ہمیں نہیں... کسی دوسرے شہزادے کو بنایا جائے تو آپ یہ بھی کر گزریں گے۔"

بادشاہ اکبر نے مسکرا کر کہا۔ "کیا اسی لئے تم ہم سے [illegible] نا چاہتے ہو؟ ہمارے جاتے ہی یہاں کے تخت پر قبضہ جمانا چاہتے ہو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یقیناً ابوالفضل نے ہمارے خلاف [illegible] بھڑکایا ہے۔"

بادشاہ اکبر نے کہا۔ "اپنے باپ پر یقینِ کامل رکھو۔ ہندوستان کا شہنشاہ صرف

ہمارا شیخو بابا ہوگا۔ ہم دکن جانے سے پہلے تمہاری جاگیر میں اجمیر کے صوبے کا اضافہ فرما رہے ہیں۔ بخشش میں پچاس ہاتھی قیمتی جواہرات اور ایک لاکھ اشرفیاں مرحمت فرما رہے ہیں۔ کیا تم خوش ہو؟''

وہ سر جھکا کر بولا۔ ''ہم صرف خوش نہیں ہیں بلکہ اس بات پر فخر بھی کر رہے ہیں کہ آپ ہمیں اپنی آنکھوں کا تارا بنائے رکھتے ہیں۔''

بادشاہ اکبر مطمئن ہو کر دکن کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابوالفضل بھی اس کے ساتھ گیا تھا۔ لیکن اپنے پیچھے سازشوں کا جال بچھا گیا تھا۔ دشمن افواہ پھیلانے لگے کہ شہزادہ خسرو آگرے کا تخت خالی دیکھ کر قبضہ جمانے والا ہے۔ جہانگیر کے حواری مشورہ دینے لگے کہ اسے خسرو سے پہلے آگرہ پہنچنا چاہئے۔ یہ بات اسے معلوم تھی کہ خسرو کے حمایتی اسے تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ کسی بھی شہزادے کو ایسا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا اپنے لشکر کے ساتھ آگرہ پہنچ گیا۔ قلعہ دار سے کنجی طلب کی۔

ایسے وقت اس کی والدہ مریم زمانی وہاں پہنچ گئی۔ بیٹے کو سمجھانے لگی۔ ''جانِ مادر! عقل کے ناخن لو۔ دشمن چاہتے ہیں' تم اپنے باپ کی نظروں میں باغی کہلاؤ۔ اگر قلعے کے اندر جاؤ گے تو یہی سمجھا جائے گا کہ تم یہاں بادشاہ کی غیر موجودگی میں قبضہ جمانے آئے ہو۔ لہٰذا واپس چلے جاؤ۔''

جہانگیر اپنی والدہ کی بات مان کر واپس چلا گیا۔ اس کے مخبروں نے بتایا کہ اسے باغی ثابت کرنے کی چالیں ابوالفضل چل رہا ہے۔ یہ سن کر وہ غصے سے تلملانے لگا۔

جب یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اکبر دکن میں کچھ عرصہ قیام کرے گا اور ابوالفضل وہاں سے واپس آ رہا ہے تو جہانگیر نے اپنے خاص محافظ نرسنگھ دیو کو حکم دیا۔ ''ابوالفضل کو زندہ واپس نہیں آنا چاہئے۔ جاؤ اور ہمیں اس کی مردہ صورت دکھاؤ۔''

وہ حکم کی تعمیل کے لئے چلا گیا۔ بادشاہ اکبر تک دشمنوں نے خبر پہنچائی کہ جہانگیر باغی ہو گیا ہے۔ بادشاہ کی عدم موجودگی میں آگرہ کے تخت پر قبضہ جمانے آیا تھا۔ لیکن مریم زمانی کی حکمتِ عملی کے باعث ناکام واپس گیا ہے۔

یہ خبر بادشاہ کے دل کو لگی۔ اپنے چہیتے شیخو بابا کی طرف سے دل میلا ہو گیا۔ اس

طرح باپ بیٹے کے درمیان کشیدگی شروع ہو گئی۔ یہ کشیدگی اس وقت اور بڑھ گئی۔ جب معلوم ہوا کہ جہانگیر کے حکم سے ابوالفضل کو قتل کر دیا گیا ہے۔ نرسنگھ دیو نے چاندی کی ایک بڑی قاب میں ابوالفضل کا سر رکھ کر جہانگیر کے سامنے پیش کیا۔ اسے ابوالفضل سے اتنی شدید نفرت تھی کہ اس نے اس سرِ بریدہ کے منہ پر غصے سے تھوک دیا۔

پھر نرسنگھ دیو کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''شاباش! تم نے ہمارے ایک بہت بڑے دشمن کو ختم کیا ہے۔ تم انعام کے مستحق ہو۔''

اس نے حکم دیا۔ ''دس ہزار اشرفیاں لا کر نرسنگھ دیو کے قدموں میں رکھی جائیں۔''

نرسنگھ دیو نے دست بستہ عرض کیا۔ ''میں آپ کا نمک خوار ہوں۔ انعام کے لالچ میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ جب میں نے ابوالفضل کو ہلاک کرنے کے لئے اسے گھیرا تو وہ بڑی چالاکی سے بچ نکلا تھا۔''

جہانگیر نے اس کٹے ہوئے سر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''پھر اسے کس نے قتل کیا ہے؟''

وہ بولا۔ ''آپ کے حکم کی تعمیل گھڑ سوار لشکر کے سپہ سالار راج تلک راٹھور نے کی ہے۔''

راج تلک نے حاضر ہو کر سر جھکاتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا۔ جہانگیر نے خوش ہو کر کہا۔ ''تمہیں بھی دس ہزار اشرفیاں مرحمت کی جائیں گی۔ تم نے پہلی بار ہمارا بہت بڑا کام کیا ہے۔ تمہاری کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔''

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''یہ سیوک حضور کی مصاحبت اور توجہ چاہتا ہے۔ آئندہ بھی آپ کے بہت کام آنا چاہتا ہے۔''

''یہ ہمارے وفادار بن کر رہنے کی خواہش ہے۔ ہم ضرور پوری کریں گے۔ آج سے تم ہمارے مصاحب خاص ہو۔ ہم اپنے ہر اہم معاملے میں تمہیں شریک کریں گے۔''

راج تلک راٹھور کامیابی سے سرشار ہو کر محل سے باہر آیا۔ اس کی برسوں کی خواہش پوری ہو رہی تھی۔ پہلے تو اس نے دینِ الٰہی قبول کر کے ترقی کا پہلا مرحلہ طے کیا تھا اور گھڑ سوار لشکر کا سپہ سالار بن گیا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ کی نظروں میں آ کر اس کا

مصاحب خاص بننا چاہتا تھا۔اس سلسلے میں وہ بادشاہ اکبر سے زیادہ جہانگیر کو اہمیت دے رہا تھا۔یہ جانتا کہ مستقبل میں وہی ہندوستان پر حکومت کرے گا۔اسی کا مصاحب خاص بننا زیادہ فائدہ مند رہے گا۔

ایک طویل انتظار کے بعد اس کی یہ خواہش بھی پوری ہوگئی تھی۔جہانگیر نے اسے اپنا مصاحب خاص مقرر کرلیا تھا۔وہ گھوڑے پر سوار اپنے چھوٹے سے محل میں آیا۔باہر مسلح سپاہیوں کا پہرہ رہتا تھا۔اندر شاہی خاندان کی طرح مسلح عورتیں پہریدار کے طور پر رہا کرتی تھیں۔

اس نے محل میں آکر اپنی راجپوت بیوی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔'' آج ہم بہت خوش ہیں۔ہمیں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔''

وہ اسے خوشی سے چومتے ہوئے خوشخبری سنانے لگا۔اس سے کچھ فاصلے پر زیب النساء کھڑی ہوئی تھی۔وہ اس کی دوسری بیوی تھی۔راج تلک راٹھور نے دین الٰہی قبول کرنے کے بعد بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے اسے مسلمانوں کے ایک اعلیٰ خاندان سے بیاہ کر لے آیا تھا۔کبھی کبھی اسے رات کو بیوی کا درجہ دے دیتا تھا۔ورنہ وہ دن رات اس کی راجپوت بیوی کی خدمت کرتی رہتی تھی۔

چونکہ راج تلک راٹھور فوج کے ایک حصے کا سپہ سالار تھا۔اس لیے زیب النساء کے خاندان والے اس کے آگے دم نہیں مار سکتے تھے اور نہ ہی اس کے خلاف بادشاہ سے شکایت کرنے کی جرات کر سکتے تھے۔وہ بیچاری ایک ہندو کی بیوی بن کر بیوہ سے بھی زیادہ بدتر زندگی گزار رہی تھی۔

زیب النساء اور اس کے خاندان والوں نے دین الٰہی قبول نہیں کیا تھا۔اس کے باوجود وہ ایک ہندو گھرانے میں آکر اپنے دین سے، اپنی اسلامی تہذیب سے اور روزے نماز سے محروم ہوگئی تھی۔راج تلک نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنے دینی احکامات کی پابندی نہ کرے۔کبھی اسے نماز پڑھتے دیکھ لے گا تو سجدے میں ہی اس کا سرتن سے جدا کر دے گا۔

یہی حال اُن ہندو عورتوں کا تھا۔جو مسلمانوں سے بیاہی گئی تھیں۔وہ مسلمان جو دربار شاہی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔انہوں نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے ہندوں عورتوں سے شادی کی تھی۔انہیں یا تو جبراً مسلمان بناتے تھے یا پھر حکم دیتے تھے کہ وہ ان

کے گھروں میں پوجا پاٹ نہیں کریں گی۔

ہندو اور مسلمان عورتوں سے جو اولادیں ہوتی تھیں۔وہ نہ تو مسلمان ہوتی تھیں اور نہ ہندو۔اگر کسی ہندو کے گھر مسلمان عورت سے اولاد ہوتی تو اس کا نام کچھ ہوتا۔شاہد ملہوترہ' سلمان راٹھور' نجمہ پرساد' زلیخا دیوی...اور مسلمانوں کے یہاں ہندو عورتوں سے اولاد ہوتی تو ان کے نام یوں ہوتے۔رادھا اکبر' سیتا رحمان' شنکر سلیمان اور لکشمن اقبال.....

باپ دادا کے دین کو دھرم کو آسانی سے چھوڑا نہیں جاسکتا۔دین الٰہی قبول کرنے والے بنیادی طور پر مسلمان ہوتے تھے۔ہندو ہوتے تھے۔ہندو کبھی سوچتے تھے کہ مسلمان عورت سے ہماری اولاد کیوں ہو؟ ہماری جو ہندو بیوی ہے' اس سے ہونے والی اولاد ہماری وارث بنے گی۔لہٰذا وہ اس مسلمان عورت کے ماں بننے سے پہلے ہی بچے کو ضائع کر دیتے تھے یا پیدائش کے بعد بچے کو مار ڈالتے تھے۔

مسلمان بھی کوئی فرشتے نہیں تھے۔جب وہ دوغلے بن کر' منافق بن کر دین الٰہی قبول کرتے تھے تو ہندو عورتوں کو بیوی بنا کر عیاشی کے لئے رکھتے تھے اور انہیں اپنی دولت و جائیداد میں سے حصہ دینا نہیں چاہتے تھے۔راجپوت گھرانے کی عورتیں بڑی ضدی ہوتی تھیں۔وہ خود اپنے مسلمان شوہروں کی اولاد پیدا کرنا نہیں چاہتی تھیں۔اگر اولاد ہو جاتی تو کسی نہ کسی حیلے بہانے سے اسے مار ڈالتی تھیں۔پھر سوکنوں کا حسد اور جلاپا کس گھر میں نہیں ہوتا؟

مسلمان بیویاں ہندو سوکنوں کا جینا حرام کر دیتی تھیں اور ہندو بیویاں مسلمان سوکنوں پر طرح طرح کے عذاب نازل کرتی رہتی تھیں اور ان کے شوہر چپ چاپ تماشائی بنے رہتے تھے۔

ایک نئے دین الٰہی کا پرچار کرنے والا جلال الدین اکبر یہ نہیں جانتا تھا کہ اس دین کے پیچھے کیسے کیسے جرائم سرزد ہو رہے ہیں' لوگ کس طرح اخلاقی پستیوں میں گرتے جا رہے ہیں؟ کوئی ہندو عورت مسلمان بننا نہیں چاہتی۔اسی طرح کوئی مسلمان عورت ہندو بننا گوارہ نہیں کرتی۔اسی لیے دین اسلام میں حکم ہے کہ غیر مذہب کی عورت کو نکاح میں لانے سے پہلے اسے مشرف بہ اسلام کرو۔اسے اپنا ہم مذہب' ہم خیال بناؤ۔تب وہ تمہاری زندگی

میں آ کر سکھ چین اور امن وامان دے گی۔

اس دور کے علمائے کرام دین الٰہی کے خلاف آوازیں اٹھا رہے تھے۔ بادشاہ اکبر کو کافر ہونے کا فتویٰ دے رہے تھے۔ ان علماء اور مجاہدین کو حق گوئی کے الزام میں سزائیں دی جا رہی تھیں۔ کتنوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ ناموسِ رسالت اور دین اسلام کے تحفظ کی خاطر سر پر کفن باندھ کر بادشاہِ وقت کے خلاف آوازیں اٹھاتے رہتے تھے۔ بہ بانگِ دہل بادشاہ سے کہتے تھے۔ ''اے بادشاہ! تو اپنا دین الٰہی محدود کر لے۔ اپنی دولت اور طاقت سے غریب اور مجبور مسلمانوں کو خریدنا چھوڑ دے۔ تجھے اپنے سامنے سجدہ کرانے کا شوق ہے تو تیرے زر خرید ہندو تجھے سجدہ کرتے رہیں گے۔ خدا کے لئے مسلمانوں پر رحم کر.....''

وہ بادشاہ سے التجا بھی کرتے تھے اور جارحانہ انداز بھی اختیار کرتے تھے۔ دین الٰہی کے سلسلے میں مشورہ دینے والا خاص مشیر ابوالفضل مارا گیا تھا۔ سر پر کفن باندھ کر میدان عمل میں آنے والے علماء ان کٹر پنڈتوں اور زر خرید علماء کو قتل کر رہے تھے' جو شاہی دربار کے تنخواہ دار تھے اور مسلمانوں کو جبراً دین الٰہی کی طرف مائل کر رہے تھے۔ اگرچہ دین اسلام کا تحفظ کرنے والے علماء شہید ہو رہے تھے۔ تاہم خاطر خواہ نتائج سامنے آ رہے تھے۔

ابوالفضل' زر خرید پنڈت اور وہ علماء جو دین الٰہی کا ستون کہلاتے تھے۔ رفتہ رفتہ موت کے گھاٹ اترتے جا رہے تھے۔ بادشاہ اکبر اپنے دین کے سلسلے میں اندر سے کھوکھلا اور کمزور ہوتا جا رہا تھا۔

سیاسی اعتبار سے بھی اس کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اس کا لاڈلا شہزادہ شیخو بابا (جہانگیر) باغی ہو گیا تھا۔ اپنا تمام لاؤ لشکر لے کر الہ آباد چلا گیا تھا۔ بغاوت کی کئی وجوہات میں سے ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ شہزادہ سلیم (جہانگیر) ان دنوں مہر النساء (نور جہاں) کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسے حرم میں لانا چاہتا تھا۔ لیکن سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر بادشاہ اکبر کو اعتراض تھا۔ اس نے بیٹے کے عشق کا بخار اتارنے کے لئے اپنے حفاظتی دستے کے سردار علی قلی خان عرف شیر افگن سے مہر النساء کی شادی کرا دی۔

باپ کے اس اقدام نے بیٹے کو اور چراغ پا کر دیا۔ دونوں کے درمیان مزید

رنجشیں بڑھ گئیں۔ امراء اور مشیر حضرات نے بادشاہ سے کہا۔ ''ولی عہد کا باغی ہونا مناسب نہیں ہے مہابلی! اسے اپنے قدموں میں جھکائیں یا پھر شہزادہ خسرو کو تاج و تخت کا جانشین قرار دیں۔''

اکبر نے کہا۔ ''ہمارا شیخو ہی تاج و تخت کا وارث ہے۔ اگرچہ وہ ناراض ہے۔ بغاوت پر آمادہ ہو گیا ہے۔ لیکن ہم اپنے شیخو کو منالیں گے۔''

وہ امراء کے سامنے بڑے اعتماد سے بول رہا تھا۔ مگر اندر سے پریشان تھا۔ ایک طرف لاڈلے شیخو کی بغاوت صدمہ پہنچا رہی تھی۔ دوسری طرف حالات سمجھا رہے تھے کہ دین الٰہی کے پرچار میں ناکامی اس کا مقدر بن سکتی ہے۔

☆☆☆

ہردوار کے میلے کی رونق بڑھتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی آزر شیرازی کے حالات سنگین ہوتے جا رہے تھے۔ انجلی کی محبت اسے مجرم بنا رہی تھی۔ اس نے درباری پنڈتوں اور علماء کے پاس آ کر پناہ لی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آئندہ بھی پناہ ملتی رہے گی یا اسے سپاہیوں کے حوالے کر دیا جائے گا؟

اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ سپاہی اس کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں آئے تھے۔ اس کی گرفتاری کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن ایک پنڈت نے خیمے سے نکل کر صاف طور پر کہہ دیا تھا۔ ''وہ ایرانی جوان ہماری پناہ میں ہے۔ ہم اسے کسی کے حوالے نہیں کریں گے۔''

وہ محض سپاہی تھے۔ ان درباری عہدے داروں سے بحث نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا سر جھکا کر چلے گئے۔ آدھے گھنٹے کے بعد انجلی کا باپ رام تلک راٹھور گھوڑے پر سوار اپنے سپاہیوں کے ساتھ وہاں آیا۔ علماء اور پنڈتوں نے اس کا سواگت کیا۔ اسے خیمے میں آ کر بیٹھنے کو کہا۔ اس نے سینہ تان کر اکڑتے ہوئے کہا۔ ''ہم شاہی لشکر کے سپہ سالار راج تلک راٹھور کے پتا جی ہیں اور آپ سب شاہی دربار کے معزز علماء اور پنڈت ہیں۔ لہٰذا ہم حکم نہیں دیں گے' درخواست کریں گے کہ ہمارا مجرم ہمارے حوالے کر دیا جائے۔''

ایک عالم نے کہا۔ ''جب تک جرم ثابت نہیں ہوگا۔ ہماری پناہ میں آنے والا مجرم

نہیں کہلائے گا۔"

ایک پنڈت نے پوچھا۔"اس کا جرم کیا ہے؟"

رام تلک نے کہا۔"اس نے ہماری بیٹی سے چھیڑ چھاڑ کی ہے۔ راجپوتوں کی غیرت کو للکارا ہے۔ کیا کسی شریف زادی کی عزت پر ہاتھ ڈالنا جرم نہیں ہے؟"

"عزت پر ہاتھ ڈالنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ صاحبزادی کی عزت لوٹ لی گئی ہے؟"

وہ غصے بھڑکتے ہوئے بولا۔"زبان سنبھال کر بات کریں۔ کس کی مجال ہے' جو ہماری بیٹی کی عزت لوٹ کر زندہ واپس چلا جائے؟"

"ہم منہ سنبھال کر کیا بولیں؟ آپ جو بولتے ہیں' خود اس کا مطلب نہیں سمجھتے۔ عزت پر ہاتھ ڈالنے کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے ہیں۔"

وہ غصے سے تلملانے لگا۔ اس کے روبرو دین الٰہی کے مبلغ تھے۔ وہ رعب و دبدبے سے جواباً کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ایک عالم نے کہا۔"آپ سیدھی اور سچی بات نہیں کہہ رہے ہیں کہ ہماری پناہ میں آنے والا مسلمان آپ کی بیٹی سے محبت کرتا ہے اور وہ بھی اس جوان سے محبت کرتی ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ ہماری بیٹی اسے گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔"

ایک پنڈت نے کہا۔"وہ گھاس ڈالے یا نہ ڈالے۔ ہماری پناہ میں ایک ایسا جوان آیا ہے' جو دین الٰہی کو اسی شرط پر قبول کرے گا کہ آپ کی بیٹی اس سے بیاہ دی جائے۔ آپ انکار کریں گے تو یہ مقدمہ مہابلی جگت گرو کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ آپ بدھی مان ہیں۔ سمجھ سکتے ہیں کہ جگت گرو کا فیصلہ کیا ہوگا؟ آپ اپنا غصہ' رعب اور دبدبہ سب بھول جائیں گے۔ اپنی بیٹی کو ایک مسلمان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

وہ فوراً ہی غصے سے پلٹ کر گھوڑے پر سوار ہو کر سپاہیوں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ اپنے خیمے میں پہنچ کر بیٹے کے نام ایک طویل خط لکھا۔ اپنی بیٹی انجلی اور ایک ایرانی مسلمان کے بارے میں تفصیلی حالات بیان کیے۔ یہ بھی لکھا کہ اگر بیٹے نے وہاں آ کر فوراً ہی اس عشق و محبت کے معاملے کو نہ دبایا تو وہ بادشاہ کے حکم کے آگے مجبور ہو جائیں گے۔ جبکہ انہیں مجبور نہیں ہونا چاہیے۔ ان کی بیٹی کو کسی بھی حال میں اس مسلمان کے پاس

نہیں جانا چاہیے۔

اس نے بیٹے کو وہاں جلدی پہنچنے کی تاکید کی اور قاصد کو حکم دیا کہ وہ تیر کی طرح راج تلک راٹھور کے پاس جائے۔ راستے میں کہیں قیام نہ کرے۔

آزر شیرازی کو پناہ مل گئی تھی۔ وہ آرام سے سو رہا تھا۔ جب بیدار ہوا تو علماء اور پنڈتوں نے اسے اپنے خیمے میں طلب کیا۔ اس نے وہاں آ کر ان سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔"اسلام وعلیکم....."

کسی نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا۔ اس کے برعکس ایک عالم نے دوسرے سے کہا۔"اللہ اکبر۔"

دوسرے نے جواباً کہا۔"جل جلالہٗ..."

آزر انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک نے کہا۔"دین الٰہی کے مطابق جگت گرو کا حکم ہے کہ جب تم ایک دوسرے سے ملو تو اسلام علیکم نہ کہو۔ ایک کہے گا' اللہ اکبر... دوسرا اس کے جواب میں کہے گا' جل جلالہٗ"

آزر نے کہا۔"آپ کو اپنا دین مبارک ہو۔ مجھے اپنا دین عزیز ہے۔"

ان سب نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک نے کہا۔"بیٹھ جاؤ۔"

وہ ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایک پنڈت نے کہا۔"تم ایک راجپوت لڑکی سے محبت کرتے ہو۔ کیا اس سے شادی بھی کرنا چاہتے ہو؟"

"بے شک۔ میں اپنے پیار کی منزل چاہتا ہوں۔"

ایک نے کہا۔"لڑکی کا باپ تمہیں گرفتار کرنے آیا تھا۔ کیا تم جانتے ہو' وہ لوگ کس قدر وسیع ذرائع کے مالک ہیں؟ ذرا سوچو! لڑکی کا بھائی فوج کا سپہ سالار ہے۔ وہ کس قدر طاقتور ہوگا؟"

"محبت کرنے والے عقل سے نہیں سوچتے۔ جو کرنا ہوتا ہے' اپنے حوصلے سے کر گزرتے ہیں۔"

"جب وہ گرفتار کر کے لے جائیں گے اور تمہیں کال کوٹھری میں ڈال دیں گے تو سارا حوصلہ دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔"

"آپ نے تو مجھے ان سے بچایا ہے۔ کیا پھر بھی گرفتاری کا اندیشہ ہے؟"

"لڑکی کا بھائی فوج کا سپہ سالار ہے۔ وہ یہاں آ کر تمہیں گرفتار کرنا چاہے گا تو ہم اس کے سامنے بے بس ہو جائیں گے۔ تم اس لڑکی کے پیار میں تباہ و برباد ہو سکتے ہو۔ جان سے بھی جا سکتے ہو اور....."

آزر نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ایک پنڈت نے کہا۔ "اور تم اپنی سلامتی چاہو تو جگت گرو کا دین الٰہی تمہیں بچا سکتا ہے۔"

اس نے پوچھا۔ "وہ کیسے....؟"

"دین الٰہی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی دیوار نہیں رہتی۔ جگت گرو کے حکم سے مسلمان ہندو عورتوں سے اور ہندو مسلمان عورتوں سے شادیاں کر سکتے ہیں۔ ایسی شادیوں پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انہیں جگت گرو کا آشیرواد حاصل ہوتا ہے۔"

ایک عالم نے کہا۔ "اگر تم دین الٰہی قبول کرو گے اور سپہ سالار رراج تلک کی بہن سے شادی کرنا چاہو گے تو وہ سپہ سالار تو کیا دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اس کی بہن کو حاصل کرنے سے روک نہیں سکے گی۔"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں دین اسلام سے پھر جاؤں؟ اپنے ایک خدا اور آخری رسول ﷺ سے منحرف ہو جاؤں؟"

"ایسا تو کرنا ہی ہوگا۔ نہیں کرو گے تو وہ سپہ سالار تمہیں کال کوٹھری میں پہنچا کر ایسی اذیتیں دے گا کہ تم چیخ چیخ کر موت مانگو گے۔ بالآخر حرام موت مارے جاؤ گے۔"

وہ مستحکم لہجے میں بولا۔ "کوئی بات نہیں۔ میں مسلمان رہ کر مر سکوں گا۔ آخری وقت کلمہ تو پڑھ سکوں گا۔"

علماء اور پنڈتوں نے ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک پنڈت نے کہا۔ "جب تم آسانی سے اپنا بچاؤ کر سکتے ہو تو کیوں حرام موت مرنا چاہتے ہو؟"

"وہ آپ کی نظروں میں حرام موت ہوگی۔ میں اپنے دین پر قائم رہ کر جان دوں گا تو مجھے شہادت کا درجہ حاصل ہوگا۔"

وہ سب اس کے جواب سے مایوس ہو گئے۔ ناگواری سے منہ بنانے لگے۔ ایک

پنڈت نے کہا۔ "دیکھو تم ہمارے حالات کو سمجھتے نہیں ہو۔ ہم سپہ سالار رراج تلک راٹھور سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ اس نے ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی شادیاں مسلمانوں سے کرائی ہیں۔ لیکن اپنی بہنوں کو راجپوت گھرانوں میں بیاہ دیا ہے۔ صرف یہی ایک چھوٹی بہن رہ گئی ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "تم ہمارا ساتھ دو گے تو تمہارا بھی فائدہ ہے اور ہمارا بھی..... تمہیں تمہاری محبوبہ مل جائے گی اور ہم انتقام لے کر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکیں گے۔"

ایک عالم نے کہا۔ "کوئی ضروری نہیں ہے کہ تم دل سے دین الٰہی قبول کرو۔ بے شک اپنے دین پر قائم رہو۔ آخری سانسوں تک مسلمان رہو۔ لیکن دکھاوے کے لئے جگت گرو کے مرید بن جاؤ۔"

ایک اور پنڈت نے سمجھایا۔ "اگر عقل سے کام لو گے تو تمہارا دین بھی سلامت رہے گا اور اپنی محبوبہ کو بھی حاصل کر سکو گے۔"

وہ بولا۔ "یہ سراسر منافقت ہوگی اور میں منافق نہیں بننا چاہتا۔"

ایک عالم نے غصے سے کہا۔ "تم ضدی اور بیوقوف ہو۔ ابھی ہم تمہیں اپنے خیموں سے نکال دیں تو کہاں جاؤ گے؟ کیا راج تلک کے سپاہیوں سے بچ سکو گے؟"

ایک پنڈت نے کہا۔ "یہ بہت جذباتی ہو کر بول رہا ہے۔ عقل سے نہیں سوچ رہا ہے۔ اسے سوچنے سمجھنے کا موقع دینا چاہئے۔"

ایک نے کہا۔ "ٹھیک ہے نوجوان....! ہم تمہیں کل تک سوچنے کا موقع دیتے ہیں۔ تم یہاں رہو اور عقل سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ زندگی ایک ہی بار ملتی ہے۔ اس لئے ہر ممکن طریقے سے آخری سانس تک جینا چاہئے۔ اب جاؤ یہاں سے.... تم نے ہمیں بہت مایوس کیا ہے۔ یہ لکھ لو کہ کل بھی مایوس کرو گے تو حرام موت مارے جاؤ گے۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ ایک عالم نے کہا۔ "جذباتی نوجوان ہے۔ تنہائی میں ٹھنڈے دماغ سے سوچتا رہے گا تو عقل آئے گی پھر یہ وہی کرے گا جو ہم چاہتے ہیں۔"

وہ دن گزر گیا۔ رات گزر گئی۔ انجلی اس کی جاگتی آنکھوں کے سامنے آتی رہی اور رات کو خوابوں میں ستاتی رہی۔ ہوشرُبا اداؤں سے اپنی طرف بلاتی رہی۔ اگر وہ اس سے

جان مانگتی تو فوراً ہی جان دے دیتا۔ لیکن وہ خدا کا بندہ ایمان دینے والا نہیں تھا۔

اس نے فجر کی نماز کے بعد دعا مانگی۔ ''یا خدا.....! مجھے اتنی توفیق دے کہ میں اپنے دین پر قائم رہ سکوں۔ یہ جان تیری دی ہوئی ہے۔ میں جان دیتے ہوئے بھی مسلمان رہنا چاہتا ہوں۔ آخری وقت تیرا ہی کلمہ پڑھنا چاہتا ہوں۔ اپنی پیدائش کے پہلے لمحے سے آج تک تیرے ہی رحم و کرم پر رہتا آیا ہوں۔ تو چاہے گا تو مجھے موت ملے گی۔ ورنہ دنیا کی کوئی طاقت مجھ سے میری زندگی اور میری محبت چھین نہیں سکے گی..... یہ میرا ایمان ہے۔ مجھے اپنے ایمان پر قائم رکھ میرے معبود.....!''

وہ نماز سے فارغ ہو کر خیمے سے باہر آیا۔ پھر چہل قدمی کے لیے ایک طرف جانے لگا۔ شام سے دوسری صبح تک میلے کی رونق ایسی ہوتی تھی' جیسے ساری دنیا کی رنگینیاں اور دلچسپ ہنگامے اسی جگہ سمٹ آئے ہوں۔ صبح کے بعد وہاں سناٹا چھا جاتا تھا۔ رات کے تھکے ہارے سب ہی گہری نیند سو جاتے تھے۔ انسانی آبادیوں میں پہرہ دینے والے چوکیدار راتوں کو جاگتے ہیں اور دن کو سوتے ہیں۔ میلے میں اس کے برعکس ہوتا تھا۔ وہاں چوکیدار راتوں کو سو جاتے تھے اور اب دن کے وقت پہرہ دے رہے تھے۔

وہ خیالوں میں گم آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت دور سے انجلی کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ وہ اسی کی طرف آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے دو داسیاں بھی چلی آ رہی تھیں۔ آزر اسی کے تصور میں کھویا ہوا تھا۔ اچانک اسے سامنے دیکھتے ہی خوش ہو کر بولا۔ ''تم.....؟ اور اس وقت یہاں آئی ہو.....؟''

وہ بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔ ذرا قریب آ کر بولی۔ ''مجھے تمہاری چنتا کھائے جا رہی ہے۔ تمہارا کیا بنے گا؟ کہاں جاؤ گے؟ کہاں چھپو گے؟ مجھے ایسا لگتا ہے' میری خاطر کبھی نہ کبھی مارے جاؤ گے۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوگی کہ میں تمہاری خاطر جان دوں گا؟''

وہ تڑپ کر آگے بڑھتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ پھر روتے ہوئے بولی۔ ''مجھے نیند نہیں آتی ہے۔ کروٹ کروٹ تمہیں یاد کرتی ہوں۔ تمہارے لئے پریشان رہتی ہوں۔ کل پتا

جی نے ایک تیز رفتار قاصد کو بھیا کے پاس بھیجا ہے۔ وہ جہاں بھی جاتے ہیں' ان کے ساتھ پانچ ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ ہوتا ہے۔ میں تم سے کہنے آئی ہوں۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ کہیں دور چلے جاؤ۔''

اس نے کہا۔ ''یہ شاہی پنڈت اور علماء میری جان بچا سکتے ہیں۔ جگت گرو کے آشیرواد سے ہماری شادی بھی کرا سکتے ہیں۔''

اس نے چونک کر الگ ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔ پھر ایک ذرا خوش ہو کر کہا۔ ''کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں.....؟ ہاں۔ ہاں۔ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ شاہی دربار میں ان پنڈتوں کا بڑا بول بالا ہے۔ یہ لوگ ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتے ہیں۔ ہماری شادی کرا سکتے ہیں۔''

''ہاں یہ میں جانتی ہوں' وہ ایسا کر سکتے ہیں۔''

''لیکن اس کے لئے وہ مجھ سے بہت بڑی قربانی چاہتے ہیں۔''

''کیسی قربانی.....؟''

''وہ کہتے ہیں' میں اپنا دین اسلام چھوڑ کر مہابلی کا دین الٰہی قبول کر لوں۔''

انجلی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ ''مجھے افسوس۔ میں تمہارے لئے جان کی بازی لگا سکتا ہوں۔ لیکن اپنا دین نہیں چھوڑ سکتا۔''

وہ دلبرداشتہ ہو کر بولی۔ ''کیا مجھے چھوڑ دو گے؟''

''مجھے ایک کے بعد دوسرا خدا منظور نہیں ہے۔ اسی طرح تمہیں چھوڑنے کے بعد کوئی دوسری لڑکی میری زندگی میں نہیں آئے گی۔ عشق حقیقی خدا کے لئے ہے اور عشق مجازی تمہارے لئے..... یہ دونوں اپنی اپنی جگہ اٹل رہیں گے۔''

''میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ ابھی صرف تمہاری سلامتی چاہتی ہوں۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ میرے بھیا کے آنے سے پہلے کہیں دور چلے جاؤ۔''

آزر نے اسے کھینچ کر اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے پوچھا۔ ''میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا تم میرے بغیر رہ سکو گی؟ اگر نہیں..... تو ابھی میرے ساتھ چلو۔''

وہ بازوؤں کے شکنجے میں تھی۔ اپنی بانہیں اس کی گردن میں ڈالتے ہوئے بولی۔ ''میں تو دنیا کے آخری سرے تک تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔ لیکن تمہاری

مصیبتیں بڑھ جائیں گی۔ تنہا جاؤ گے تو بھیا اور پتا جی یہ سوچ کر تمہارا پیچھا نہیں کریں گے کہ تم سے جان چھوٹ گئی ہے۔ وہ بدنامی کو ہوا دینا نہیں چاہیں گے۔"

وہ سر ہلا کر بولا۔ "یہ تو ہے۔ پھر وہ میرا پیچھا نہیں کریں گے۔"

"لیکن میں تمہارے ساتھ جاؤں گی تو قیامت آ جائے گی۔ یہاں سے دور دور تک جتنے راجے مہاراجے ہیں۔ سب ہی مہابلی کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ میرے بھیا سپہ سالار ہیں۔ اس لئے سب ہی ان کا مان کرتے ہیں۔ ہم جہاں بھی پناہ لینے جائیں گے، وہ ہمیں ان کے حوالے کر دیں گے۔ میں ساتھ رہوں گی تو تمہارے لیے مصیبت بنتی رہوں گی۔"

"تم درست کہتی ہو۔ یہ بتاؤ اگر میں کہیں جا کر کامیابی سے روپوش رہ کر زندگی گزارنے لگوں اور پھر تمہیں لینے آؤں تو کیا میرے ساتھ چلو گی؟"

وہ بڑے جذبے سے بولی۔ "میں دن رات انتظار کرتی رہوں گی کہ کب آؤ گے اور کب مجھے ساتھ لے جاؤ گے؟"

وہ اسے بازوؤں میں اٹھا کر گھومنے لگا۔ فرطِ مسرت سے چومنے لگا۔ وہ گلے کا ہار بن گئی تھی۔ اور اپنا ہر پل ہار جانا چاہتی تھی۔ مگر یہ چاہت پوری نہ ہو سکی۔ اچانک ہی گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دینے لگیں۔

وہ پیار کرتے کرتے تھم گئے۔ چونک کر دیکھنے لگے۔ ہنہناتے ہوئے گھوڑے مسلح سپاہیوں کو لئے چلے آ رہے تھے۔ انہیں چاروں طرف سے گھیرا جا رہا تھا۔ وہ گھوم گھوم کر دیکھنے لگے۔ ہر طرف ننگی تلواریں لیے ہوئے سپاہی گھوڑوں پر سوار تھے۔ انجلی نے ذرا کڑک دار لہجے میں پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ ہمیں اس طرح کیوں گھیر رہے ہو؟"

وہ سب خاموش رہے۔ پھر ایک گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دیں۔ اس کا باپ رام تلک راٹھور گھوڑے پر سوار ننگی تلوار لئے اس طرف آ رہا تھا۔ وہ قریب آتے ہوئے لگام کھینچ کر گھوڑے کو روکتے ہوئے بیٹی سے بولا۔ "تم کیا سمجھ رہی تھیں، ہم راتوں کو جاگتے ہیں، دارو پیتے ہیں اور دن کو مدہوش ہو کر سوتے رہتے ہیں؟ خود کو بہت چالاک سمجھتی ہو؟ پہرے داروں کی مٹھیاں گرم کر کے یہاں چلی آئیں۔"

گھوڑا ادھر سے ادھر ہو رہا تھا۔ وہ اسے لگام دیتے ہوئے بولا۔ "لیکن یہ پہرے

دار ہمارا نمک کھاتے ہیں، ہمارے وفادار ہیں۔ ہم نے یہ تدبیر کی تھی کہ تم ہمیں بے خبر سمجھ کر اپنے عاشق سے ملنے جاؤ اور یہ دیوانہ ان پنڈتوں کے خیمے سے ذرا دور نکل آئے۔ ہم جو چاہتے تھے، وہی ہو رہا ہے۔ اب یہ مسلمان پناہ لینے کے لیے ان پنڈتوں اور عالموں کے پاس نہیں جا سکے گا۔"

اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "اسے باندھ کر لے چلو۔"

انجلی دوڑتی ہوئی آ کر باپ کے قدموں سے لپٹ گئی۔ التجائیں کرنے لگی۔ "نہیں پتا جی۔ !نہیں۔ میں اس سے پیار کرنے نہیں، اسے سمجھانے آئی تھی۔ یہ یہاں سے کہیں دور چلا جائے گا۔ پھر کبھی واپس نہیں آئے گا۔ آپ اسے چھوڑ دیں۔ بھگوان کے لئے اسے جانے دیں۔"

رام تلک راٹھور نے بیٹی کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "اگر یہ یہاں سے کہیں دور چلا جائے گا تو اس کی جان بخشی جا سکتی ہے۔ لیکن آخری فیصلہ ہمارا نہیں۔ تمہارے بھائی کا ہو گا۔ وہ یہاں پہنچنے والا ہے۔ ہم اسے سمجھائیں گے۔ تم ابھی خیمے میں واپس جاؤ۔"

اس نے گھوڑے کی لگام موڑ دی۔ پھر وہاں سے جانے لگا۔ آزر شیرازی کے دونوں ہاتھوں کو رسیوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ رسیوں کے سرے دو گھڑ سواروں کے ہاتھوں میں تھے۔ وہ گھوڑے دوڑاتے جا رہے تھے اور آزر اُن کے ساتھ دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ انجلی بے بسی سے دیکھ رہی تھی اور رو رہی تھی۔

وہ باپ کو دھوکہ دے کر آئی تھی۔ یہ نہیں جانتی کہ باپ اسے دھوکہ دے رہا ہے۔ اس کے ذریعے اس کے عاشق کو اور اپنے مجرم کو پناہ گاہ سے باہر نکال کر اپنا قیدی بنانا چاہتا ہے۔

وہ جس چالاکی سے آزر کو قیدی بنا کر لے گیا تھا۔ اس کے خلاف علماء اور پنڈت شکایت نہیں کر سکتے تھے کہ وہ آزر کو جبراً ان کی پناہ سے نکال کر لے گیا ہے۔ وہ ان سب کی لا علمی میں خیمے سے باہر دور چلا آیا تھا۔ کسی نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ رام تلک راٹھور اسے قیدی بنا کر لے جا رہا ہے۔ علماء اور پنڈت اس راجپوت کو الزام نہیں دے سکتے تھے۔

انجلی نے سوچا۔ ’’آزر کو قیدی بنا کر اپنے خیموں میں لے جایا جا رہا ہے۔ مجھے فوراً وہاں پہنچنا چاہیے۔‘‘

وہ داسیوں کے ساتھ تیزی سے چلتی ہوئی اپنے خیمے میں آئی پھر ماں سے پوچھا۔ ’’پتا جی کہاں ہیں؟‘‘

ماں نے بیٹی کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’تمہیں شرم نہیں آتی....؟ ایک مسلمان سے ملنے گئی تھیں۔ تمہیں تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیے۔‘‘

’’میں نے ڈوب مرنے کا کوئی کام نہیں کیا ہے۔ آپ بتائیں، پتا جی کہاں ہیں؟ آزر کو قیدی بنا کر کہاں لے گئے ہیں؟‘‘

’’میں نہیں جانتی، وہ کہاں گئے ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ جب یہاں آئیں تو خود ہی پوچھ لینا۔‘‘

وہ اپنے باپ کا انتظار کرنے لگی۔ اسے اس بات کی بے چینی تھی کہ آزر کو کہاں لے جایا گیا ہے اور اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جا رہا ہے؟ یہ اندیشہ بھی تھا کہ اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ وہ بیچارہ پڑوسی ملک سے آیا تھا۔ اگر اسے ہلاک کر دیا جاتا تو اس کے پیچھے کوئی فریاد کرنے والا بھی نہیں تھا۔

وہ اپنے خیمے میں آ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ سوچنے لگی۔ ’’بھگوان کرے، وہ زندہ رہے۔ اگر زندہ رہے گا تو میں اس سے دکھاوے کی نفرت کروں گی۔ محبت سے انکار کر دوں گی۔ صاف صاف کہہ دوں گی کہ میں ایک مسلمان سے محبت کرنے اور شادی کرنے والی نادان لڑکی نہیں ہوں۔ جہاں میرے ماتا پتا کہیں گے، وہاں شادی کروں گی۔‘‘

وہ کبھی بیٹھ رہی تھی، کبھی اٹھ رہی تھی۔ کبھی ٹہلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ’’یہی مناسب رہے گا۔ میں اس سے سخت نفرت کا اظہار کروں گی تو وہ مایوس ہو کر مجھ سے دور چلا جائے گا۔ یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ وہ میری محبت میں اپنی جان گنوا دے۔ مجھ سے دور جا کر زندہ سلامت رہے گا تو یہ اطمینان ہوگا کہ نفرت کا اظہار کر کے ہی سہی میں نے اپنے پیار کو، اپنے یار کو تحفظ دیا ہے۔ اسے ایک نئی زندگی دی ہے۔‘‘

دن کے دوسرے پہر اس کا بھائی راج تلک راٹھور اپنے فوجی دستے کے ساتھ

وہاں پہنچ گیا۔ ہزاروں مسلح سپاہیوں کو دیکھ کر میلے میں افراتفری مچ گئی۔ سب ہی خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر چھپنے لگے۔ ایک ڈھنڈورچی نے دور تک ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے سب کو تسلی دی کہ پریشان ہونے اور خوفزدہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ شاہی لشکران کے میلے کی خوشیوں میں حائل نہیں ہوگا۔

راج تلک راٹھور گھوڑے سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا خیمے میں ماں کے پاس آیا پھر اس کے آگے جھک کر اس کے قدموں کو چھو کر دعائیں لینے کے بعد بولا۔ ’’پتا جی کہاں ہیں؟‘‘

ماں نے کہا۔ ’’میں نہیں جانتی، اتنا معلوم ہے کہ اس مسلمان کو بندی بنا کر کہیں لے گئے ہیں۔‘‘

اس نے پہرے داروں کے داروغہ کو بلا کر پوچھا۔ ’’ہمارے پتا جی کہاں ہیں؟‘‘

اس نے کہا۔ ’’یہاں سے کچھ دور ایک کھنڈر ہے۔ آپ کے پتا جی اس مسلمان کو بندی بنا کر وہیں لے گئے ہیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ ابھی ہم وہاں جائیں گے۔ تم جا سکتے ہو۔‘‘

داروغہ خیمے سے باہر چلا گیا۔ بیٹے نے ماں سے پوچھا۔ ’’یہ معاملہ کیا ہے؟‘‘

ایسا پوچھتے وقت اس کی نظر ایک بڑے سے صندوق پر رکھی ہوئی انجلی کی مورتی پر گئی۔ وہ ایکدم سے چونک کر حیرانی سے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ’’ارے یہ تو ہماری انجلی ہے۔‘‘

وہ قریب آ کر اس مورتی کو اٹھا کر ہر طرف سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ بے اختیار تعریفیں کرنے لگا۔ ’’یہ کس کلاکار کی کلا ہے ماں جی! آپ کی قسم... میں نے اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت مورتی نہیں دیکھی۔ ایسا لگتا ہے، میری بہن میرے ہاتھوں میں آ گئی ہے۔ بس یہ ہے کہ سانس نہیں لے رہی ہے۔‘‘

ماں نے ناگواری سے کہا۔ ’’اُسی بدبخت مسلمان نے بنائی ہے۔ حیران تو ہم بھی ہیں کہ اس نے ایک ہی بار انجلی کو دیکھا تھا اور ہو بہو ویسی ہی بنا کر یہ ثابت کر رہا ہے کہ وہ ہماری بیٹی کا دیوانہ ہے۔‘‘

راج تلک نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ پھر غصے سے اس مورتی کو صندوق پر پٹختے

هوئے بولا۔ ''میری تلوار کے ایک ہی وار سے اس کی دیوانگی مٹی میں مل جائے گی۔ انجلی کہاں ہے؟ اسے بلایا جائے۔''

وہ حاضر ہوگئی۔ فوراً ہی بھائی کے قدموں میں جھک کر بولی۔ ''میرے بھیا کی جے ہو۔ میں آپ کو یاد کرتی رہتی ہوں۔ کیا آپ کو ہچکیاں آتی ہیں؟''

وہ ہنستے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ تمہارے ہاتھوں میں کیا ہے؟''

اس نے کہا۔ ''راکھی ہے۔''

وہ تعجب سے بولا۔ ''لیکن آج راکھی کا تہوار تو نہیں ہے؟''

''کوئی ضروری نہیں ہے کہ راکھی صرف تہوار کے دن باندھی جائے۔ یہ تو رکھشا بندھن ہے۔ ہر بہن اپنے بھائی کی سلامتی اور لمبی عمر کے لئے اسے کلائی پر باندھتی ہے۔ لائیں اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں۔''

راج تلک نے مسکرا کر ماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ بڑی چالاک ہے۔ ابھی راکھی باندھے گی اور اس کے بدلے تگڑی رقم مجھ سے وصول کرے گی۔''

اس نے اپنا ہاتھ بہن کی طرف بڑھا دیا۔ وہ راکھی باندھنا چاہتی تھی۔ ماں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''تم سچ مچ بہت چالاک ہو۔ پہلے وعدہ کرو' راکھی باندھنے کے بعد ایسی کوئی چیز نہیں مانگو گی جس سے بھائی کی غیرت کو ٹھیس پہنچے۔''

راج تلک نے ماں کی بات سن کر چونکتے ہوئے بہن کو دیکھا۔ باپ نے قاصد کے ذریعے جو خط بھیجا تھا۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ تمہاری بہن بھی اس مسلمان سے پیار کرنے لگی۔

اس نے بہن کو ذرا چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ ''یہ راکھی باندھ کر ہم سے دنیا جہاں کی دولت مانگو گی تو ہم تمہارے قدموں میں لا کر رکھ دیں گے۔ لیکن اس مسلمان کو مانگو گی تو ابھی تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔''

وہ بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی۔ ''بھیا...! نہ میں بے غیرت ہوں۔ نہ آپ کی غیرت کو ٹھیس پہنچنے دوں گی۔ میرے بارے میں آپ تک غلط اطلاع پہنچائی گئی

ہے۔ میں اتنی نادان نہیں ہوں کہ ایک مسلمان سے دل لگا کر اپنے راجپوت بھائی کا سر جھکاؤں گی۔''

وہ خوش ہو کر اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''شاباش بہنا....! لو راکھی باندھو اور جو مانگنا چاہو' وہ مانگو۔''

وہ ایک طرف سے پوجا کی تھال اٹھا کر لائی۔ پھر بھائی کی کلائی پر راکھی باندھ کر اسے مٹھائی کا ایک ٹکڑا کھلاتے ہوئے کہا۔ ''میرے بھیا کی زندگی میں ہمیشہ مٹھاس رہے۔ ہمیشہ سلامتی رہے۔ کسی دشمن کی نظر نہ لگے۔ اس بہن کا آنچل اپنے بھیا کے لئے ڈھال بنا رہے۔''

وہ انجلی کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''ہمیں ماں اور بہنوں کی دعاؤں سے ترقی مل رہی ہے۔ بولو.....تم کیا مانگتی ہو؟''

''میرا اس مسلمان سے نہ کوئی تعلق ہے اور نہ رہے گا۔ لیکن اس نے میری یہ خوبصورت مورتی بنائی ہے۔ آپ انعام کے طور پر اسے سلامتی اور تحفظ دیں۔''

ماں نے چیخ کر کہا۔ ''دیکھو بیٹا! یہ کتنی چالاکی سے پھر اسی مسلمان کی بات کر رہی ہے؟''

بیٹے نے ہاتھ اٹھا کر ماں کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر بہن سے کہا۔ ''تم کبھی ہم سے جھوٹ نہیں بولتی ہو۔ ابھی تم نے کہا ہے' اس مسلمان سے نہ کوئی تعلق ہے' نہ رہے گا۔ تم اسے صرف انعام دینا چاہتی ہو۔''

وہ سر جھکا کر بولی۔ ''آپ کی سوگند ہے بھیا! میں صرف انعام کے طور پر اسے زندگی دینا چاہتی ہوں۔ آپ چاہیں تو اسے سلامتی دے کر حکم دے سکتے ہیں کہ وہ یہاں سے بہت دور کسی دوسرے علاقے میں چلا جائے۔ پھر کبھی پلٹ کر ادھر کا رخ نہ کرے۔''

اس نے سر گھما کر اس کی مورتی کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''بے شک۔ وہ بہت بڑا کلاکار ہے۔ انعام کا مستحق ہے......ماں جی! ہماری انجلی کے مطالبے میں سچائی ہے۔ ہم اس کلاکار کو زندگی دیں گے اور یہ حکم دیں گے کہ وہ ہماری نظروں سے دور ہو جائے تو پھر وہ کبھی پلٹ کر آنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔''

وہ مورتی کے قریب آیا۔ پھر اسے چھو کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ”انجلی.....! اس کلاکار کی تعریف کے لئے ہمارے پاس شبد نہیں ہیں۔ اگر یہ مورتی دربار شاہی میں پہنچ جائے تو مہابلی اور تمام شہزادے اسے دیکھ کر واہ واہ کرنے لگیں گے۔“

انجلی نے کہا۔ ”آپ کلا کو سمجھتے ہیں۔ اس کی قدر کرتے ہیں۔ اس کلاکار کی سلامتی اور بہتری کے لئے کچھ بھی کریں گے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔“

وہ بڑی دیر تک اس مورتی کو دیکھتا رہا۔ سوچتا رہا۔ پھر پلٹ کر جاتے ہوئے بولا۔ ”ہم ابھی اس سے ملیں گے۔“

وہ خیمے سے باہر آ کر گھوڑے پر سوار ہو کر اس داروغہ کے ساتھ کھنڈر کی طرف جانے لگا۔ انجلی بڑی ذہانت سے اپنے یار کو اپنے دلدار کو سلامتی دے رہی تھی۔ راج تلک راٹھور کے دماغ میں ایک اور ہی بات پک رہی تھی۔ وہ بہن کی خواہش کے مطابق آزر شیرازی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے اندر اس کلاکار کے ذریعہ ایک بہت بڑا فائدہ حاصل کرنے کا منصوبہ پک رہا تھا۔

وہ کھنڈر میں پہنچ گیا۔ باپ کے آگے جھک کر اس کے پیروں کو چھو کر آشیرواد حاصل کیا۔ پھر پوچھا۔ ”وہ بندی کہاں ہے؟“

باپ اسے کھنڈر کے ایک کمرے میں لے آیا۔ آزر شیرازی رسیوں سے بندھا ٹوٹے پھوٹے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ سپاہیوں نے اسے اتنی اذیتیں پہنچائی تھیں کہ وہ لہولہان ہو گیا تھا۔ راج تلک نے اسے ہمدردی سے دیکھا۔ پھر باپ سے کہا۔ ”آپ کو اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

باپ نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”بیٹے! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ یہ ہمارا مجرم ہے۔ ہماری غیرت کو للکار رہا ہے۔ اگر ہم اسے علماء اور پنڈتوں کی پناہ سے نکال کر یہاں نہ لاتے تو وہ لوگ اسے جگت گرو کے پاس لے جاتے۔ یہ وہاں جا کر دین الٰہی قبول کرتا اور اس کے بدلے ہماری بیٹی کو مانگتا تو تم خود ہی سوچو' ہم کس قدر مجبور ہو جاتے؟ جگت گرو کے حکم کے مطابق اس کم بخت سے اپنی بیٹی کا بیاہ کرانا پڑتا۔“

وہ بولا۔ ”آپ اسے وہاں سے نکال لائے' یہ بہت اچھا کیا۔ لیکن ہم اسے

نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ فوراً ہی وید کو بلا کر اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرائیں۔ ہم اسے جلد سے جلد تندرست اور توانا دیکھنا چاہتے ہیں۔“

اس کے باپ نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ”میلے میں جو تجربہ کار وید ہیں۔ ان میں سے دو چار کو بلا کر یہاں لایا جائے۔“

پھر اس نے بیٹے سے کہا۔ ”ہم نے خط میں بہت کم لکھا تھا۔ پھر بھی اتنا ضرور لکھا تھا کہ تمہاری بہن نادان ہے۔ اس بدبخت کے عشق میں مبتلا ہو گئی ہے۔“

”نہیں پتا جی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم انجلی سے بات کر چکے ہیں۔ وہ ہماری عزت اور غیرت پر کبھی آنچ نہیں آنے دے گی۔ اسے اس جوان سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔“

”کیا تمہیں یقین ہے.....؟“

”بے شک۔ جو وہ چاہتی ہے۔ وہی ہم بھی چاہتے ہیں۔ اس کلاکار نے بہت ہی خوبصورت مورتی بنائی ہے۔ اسے انعام کے طور پر زندگی بخشی جائے گی۔ آپ ہمارے ساتھ آئیں۔ ہم تنہائی میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔“

وہ دونوں اس کھنڈر کے دور اُفتادہ گوشے میں آ کر ایک دیوار کے سائے میں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ راج تلک راٹھور نے کہا۔ ”سب سے پہلے تو ہم آپ کو بہت بڑی خوشخبری سناتے ہیں۔ ہم لشکر کے ایک حصے کے سپہ سالار تو پہلے سے ہیں۔ اب ایک اور کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہم ولی عہد شہزادہ سلیم کے مصاحب خاص بن گئے ہیں۔ پہلے لشکری معاملات میں ہماری اہمیت تھی۔ آئندہ درباری معاملات میں ہمارے مشوروں کی اہمیت ہوا کرے گی۔ اب ہماری طاقت اور اختیارات وسیع تر ہوتے چلے جائیں گے۔“

باپ نے خوش ہو کر کہا۔ ”یہ تو واقعی بہت بڑی خوشخبری ہے۔ تم نے اپنی عقل سے اور ہوشیاری سے دربار میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ ولی عہد شہزادہ سلیم کے بجائے' تم مہابلی جلال الدین اکبر کے مصاحب خاص بن جاتے؟“

وہ بولا۔ ”پتا جی! مہابلی جلال الدین اکبر ڈھلتا سورج ہیں۔ ہمیں چڑھتے سورج کی پوجا کرنی چاہئے۔ ہم نے خوب سوچ سمجھ کر ولی عہد کی نظروں میں اپنا مقام بنایا ہے۔“

باپ نے قائل ہو کر کہا۔ ”بے شک۔ تم دربار شاہی کے معاملات ہم سے بہتر جانتے

ہو۔تمہیں بہت بڑی کامیابی، بہت بڑا عہدہ ملا ہے۔اس خوشی میں ہم جشن منائیں گے۔"

"آپ ابھی ماتا جی اور ہماری بہنوں کے ساتھ میلے کی خوشیاں منائیں۔جب واپس آگرے آئیں گے تو ضرور جشن منایا جائے گا۔ابھی ہمارے ذہن میں جو تدبیر پک رہی ہے۔اس پر ہم عمل کریں گے تو زمین سے اٹھ کر آسمان کی اونچائی تک پہنچ جائیں گے۔"

باپ نے پوچھا۔"ایسی کیا تدبیر ہے؟"

"آپ دیکھ رہے ہیں' جگت گرو کے حکم کے مطابق ہندو اور مسلمانوں کے درمیان رشتے داریاں ہو رہی ہیں؟"

"ہاں۔مگر یہ ہمارے دھرم کے خلاف ہے۔جو لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو مسلمانوں سے بیاہ رہے ہیں۔وہ اپنا دھرم نشٹ کر رہے ہیں۔"

وہ بولا۔"کٹر مسلمان بھی اس پر اعتراض کر رہے ہیں۔ان کے دین میں یہ حکم ہے کہ جب تک کسی غیر مسلم عورت کو مسلمان نہ بنایا جائے' اس وقت تک اس سے شادی جائز نہیں ہے۔اس کے باوجود جگت گرو کے دین الٰہی نے مسلمانوں کو ہندو گھرانوں میں اور ہندوؤں کو مسلمان گھرانوں میں پہنچا دیا ہے۔مہابلی اپنے تمام شہزادوں کی شادیاں ہندو راجاؤں اور مہاراجاؤں کی بیٹیوں اور بہنوں سے کروا رہے ہیں۔"

رام تلک راٹھور نے کہا۔"وہ بے غیرت ہیں۔ایسا کر رہے ہیں۔ہم تو کبھی نہیں کریں گے۔"

"کریں گے پتا جی...! ضرور کریں گے۔"

باپ نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔پھر بے یقینی سے پوچھا۔"کیا تم اپنے ہوش و حواس میں ہو؟"

"بالکل۔ہم ہوش و حواس میں رہ کر اور دنیا داری کو دیکھتے ہوئے ایسا کہہ رہے ہیں۔جن ہندو راجاؤں نے اپنی بیٹیاں اور بہنیں مہابلی کو اور ان کے شہزادوں کو دی ہیں۔وہ شاہی خاندان میں داخل ہو گئے ہیں۔بادشاہ اور شہزادوں کے رشتے دار کہلاتے ہیں۔ان لڑکیوں کے باپ اور بھائیوں کو جاگیریں عطا کی گئی ہیں۔دربار شاہی میں ان کا بول بالا رہتا ہے۔"

رام تلک راٹھور حیرانی سے اور سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔اس کی باتیں سن رہا تھا۔وہ کہہ رہا تھا۔"اگر ہم اپنی انجلی کو کسی طرح ولی عہد شہزادہ سلیم کی بیگم بنا دیں تو وہ آئندہ ہندوستان کی ملکہ بن سکتی ہے اور اگر نہ بھی بنے تو بادشاہِ وقت کی بیگم کہلانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ہم بادشاہِ وقت کے رشتہ دار بن کر وزیر خزانہ یا وزیر مملکت کا عہدہ حاصل کر سکتے ہیں۔دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ سکتے ہیں۔آپ ذرا غور کریں۔تاج بادشاہ کے سر پر ہوگا اور ہم بے تاج بادشاہ بن کر حکومت کرتے رہیں گے۔"

رام تلک نے کہا۔"یہ سارے سہانے خواب پورے ہو گئے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے؟ کوئی ہمیں بے غیرت راجپوت نہیں کہے گا۔ہماری طرف انگلی اٹھانے کی جرات نہیں کر سکے گا۔لیکن ناکامی ہوئی اور کچھ حاصل نہ ہوا تو ہمارے سر اپنے ہی لوگوں کے سامنے جھک جائیں گے۔"

"پتا جی! ہم نے آج تک سر جھکانے والا کوئی کام نہیں کیا۔آپ اطمینان رکھیں اور دیکھتے جائیں کہ ہم کرتے کیا ہیں اور ہوتا کیا ہے؟"

"ہمارا بیٹا بہت ہوشیار ہے۔ہمیں یقین ہے' کامیابی ہوگی۔مگر تم اس مورتی بنانے والے مسلمان کو زندہ کیوں چھوڑنا چاہتے ہو؟"

راج تلک راٹھور ذرا چپ رہا۔خلا میں تکتا رہا۔پھر بولا۔"ہم بچپن سے اب تک اپنی انجلی کو دیکھتے آئے ہیں۔لیکن ہمیں اس کی سندرتا کا اندازہ کبھی نہیں ہوا۔اس مورتی بنانے والے نے تو ہمیں چونکا دیا ہے۔اس نے ڈانڈیا کھیلنے کا بہت ہی خوبصورت انداز پیش کیا ہے۔اگر وہ اسی طرح انجلی کی کئی مورتیاں بنائے گا اور اسے کئی پرکشش زاویوں سے پیش کرے گا تو شہزادہ سلیم اسے دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہو جائے گا۔ہمیں یقین ہے' وہ انجلی کو اپنی حرم میں لانے کے لئے ہم سے رشتے داری ضرور کرے گا۔"

باپ کا سر جھک گیا۔اس نے کہا۔"ہمیں یہ سن کر اور سوچ کر شرم آرہی ہے کہ ہماری بیٹی' تمہاری بہن ایک مسلمان کے سامنے نمائش کے طور پر پیش کی جائے گی۔"

"کبھی کبھی کوئی بات پہلے تو بدتر لگتی ہے۔بعد میں وہی بات منافع پہنچائے تو بہتر ہو جاتی ہے۔ابھی آپ کو شرم آرہی ہے۔کل اسی بات پر سینہ تان کر سب کے سامنے چلیں گے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔''آپ ماں جی کو جا کر سمجھائیں' ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔وہ اس پر اعتراض نہ کریں۔سیدھی اور آخری بات یہ ہے کہ ہم کسی کے اعتراض کی پرواہ بھی نہیں کریں گے۔''

وہ وہاں سے چلتا ہوا کھنڈر کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا اس شکستہ کمرے میں آیا' جہاں آزر شیرازی پر تشدد کیا گیا تھا۔اب اس کی مرہم پٹی ہو چکی تھی۔اسے دوائیں کھلائی جا رہی تھیں۔وید نے کہا۔''چنتا کی کوئی بات نہیں ہے۔زخم معمولی ہیں' جلد ہی بھر جائیں گے۔''

راج تلک راٹھور نے وید سے اور سپاہیوں سے کہا۔''تم سب یہاں سے جاؤ۔''

وہ سب چلے گئے۔اس نے آزر کے سامنے ذرا فاصلے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔''تمہیں بتایا گیا ہوگا کہ ہم کون ہیں؟''

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔''آپ سپہ سالار راج تلک راٹھور ہیں۔''

''تم نے ہماری بہن پر میلی نظر ڈالی اس کا انجام دیکھ رہے ہو؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔''دیکھ بھی رہا ہوں اور بھگت بھی رہا ہوں۔''

''ہم نے یہاں آ کر تمہیں سزا سے بچایا ہے۔جانتے ہو کیوں....؟''

اس نے انکار میں سر ہلایا۔وہ بولا۔''صرف اس لئے کہ تم ایک بہت بڑے کلاکار ہو اور ہم کلاکاروں کی قدر کرتے ہیں۔''

''اس قدردانی کا شکریہ۔''

''اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تم صرف کلاکار ہی نہیں ہمارے مجرم بھی ہو۔تم نے ہمارے گھر کی عزت تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ہم تمہیں کیسے معاف کر سکتے ہیں؟''

''آپ میری کلا کی قدر بھی کرتے ہیں اور اس کلاکار کو مجرم بھی کہتے ہیں۔میں تو صرف ایک سنگ تراش ہوں۔میں نے آپ کی بہن کی مورت بنائی۔اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔مجھے یہ الزام نہ دیا جائے کہ میں نے آپ کے گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔''

''کیا یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے ہماری بہن سے محبت کرنے کی گستاخی نہیں کی ہے؟''

''اگر میں ایسا کرتا تو ایک عاشق دیوانے کی طرح اس مورتی کو اپنے پاس رکھتا۔

لیکن میں نے تو اُسے آپ کی بہن کے حوالے کر دیا تھا۔''

''بے شک۔تمہارا یہ عمل کہتا ہے کہ تم بے قصور ہو۔ہم نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہاں آ کر تمہیں سزا سے بچایا ہے۔''

''جب آپ نے سوچ سمجھ لیا ہے تو میرے متعلق کوئی فیصلہ بھی کیا ہوگا؟''

''ہمارا فیصلہ ہے' تمہارے جیسے کلاکار کو بہت بڑا انعام دیا جائے۔تمہاری کلا کو ولی عہد شہزادہ سلیم کے سامنے پیش کیا جائے۔شہزادہ فن کا قدردان ہے۔اگر اس نے تمہاری قدر کی تو تم راج دربار میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کر لو گے۔''

نہ تو اسے بارگاہِ شاہی میں جانے کا کوئی شوق تھا اور نہ ہی کوئی اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی خواہش تھی۔وہ تو بس انجلی کا دیوانہ تھا۔اس کی خاطر جھوٹ سچ بول کر وہاں سے جان بچا کر نکل جانا چاہتا تھا۔پھر ذرا حالات سازگار ہوتے ہی واپس آ کر اپنی انجلی کو لے کر ان دشمنوں کی پہنچ سے دور ہو جانا چاہتا تھا۔

اس نے راج تلک کے سامنے بظاہر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔''آپ بڑے دیالو ہیں۔اگر مجھے راج دربار میں کوئی اعلیٰ مقام حاصل ہو جائے گا تو میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔''

''کوئی بھی اعلیٰ مقام آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔اس کے لئے تمہیں کچھ محنت کرنی ہوگی۔شہزادہ ولی عہد کے سامنے اپنی کلا کا نمونہ پیش کرنا ہوگا۔''

''میں حاضر ہوں۔''

''تم انجلی کی تقریباً دس یا پندرہ مورتیاں بناؤ گے۔''

آزر نے چونک کر اسے دیکھا۔جو اپنی بہن سے اسے دور کر دینا چاہتا تھا۔وہی اس کی مورتی بنانے کو کہہ رہا تھا۔چشم زدن میں یہ بات سوجھی کہ اس طرح وہ انجلی کو دن رات اپنے قریب اپنے روبرو دیکھ سکتا ہے۔راج تلک راٹھور نے پوچھا۔''کیا سوچ رہے ہو؟''

وہ چونک کر بولا۔''آپ میری یہ حالت دیکھ رہے ہیں۔مجھ پر تشدد کیا گیا ہے۔صرف اس غلط فہمی کی بناء پر کہ میں آپ کی بہن کا عاشق ہوں۔دیوانہ ہوں۔جبکہ میں صرف ایک کلاکار تھا اور آئندہ بھی رہوں گا۔اب آپ مجھے اپنی بہن کی مورتیاں بنانے کا

حکم دے رہے ہیں۔ ایک نہیں۔ پندرہ مورتیاں.... اس کے لئے کم از کم دو ماہ یا تین ماہ تک آپ کی بہن کو میرے سامنے رہنا ہوگا۔ وہ روبرو رہے گی' تب ہی میں اس کا چہرہ اور اس کا سراپا ہوبہو ڈھال سکوں گا۔"

وہ آزر کو دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ مورتی بناتے وقت وہ تمہارے سامنے رہے؟"

"جی ہاں۔ جب میں نے پہلی بار آپ کی بہن کو دیکھا تو میرے اندر کے کلاکار نے کہا' یہ صورت' یہ سراپا ایک مورتی میں ڈھل جائے گا تو فن کے قدردان مجھے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اور میں یہ دیکھ رہا ہوں' آپ واقعی میری قدر کر رہے ہیں۔ مجھے اعلیٰ مقام تک پہنچانا چاہتے ہیں۔"

"لیکن تم نے تو انجلی کو ایک ہی بار دیکھا تھا۔"

"ایک بار نہیں۔ بار بار دیکھا تھا۔ میں آپ سے یہ حقیقت نہیں چھپاؤں گا کہ اسے چھپ چھپ کر دیکھتا رہتا تھا اور مورتی بناتا جاتا تھا۔ آپ اُس مورت کو ایک شاہکار سمجھ رہے ہیں۔ جبکہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جب انجلی روبرو رہا کرے گی اور میں اسے مورتی میں ڈھالوں گا تو آپ ایک ایک مورتی کو دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔"

وہ کسی حد تک قائل ہو کر بولا۔ "تم دن رات اس کی مورتی بناؤ گے تو وہ تھک جائے گی۔ تمہارے سامنے ہمیشہ نہیں رہ سکے گی۔"

"میں خود بھی تھک جاؤں گا۔ دن رات کام نہیں کر سکوں گا۔ اس لئے رات سے صبح تک جاگتا رہوں گا اور اسے جگاتا رہوں گا۔ اس کے بعد تمام دن ہم آرام کر سکیں گے۔"

"تمہیں رات کو نہیں۔ دن کو کام کرنا چاہئے۔"

"میں برسوں سے رات ہی کو کام کرنے کا عادی ہوں۔ دن کو سوتا ہوں۔ رات کو جاگتا ہوں۔ شاعر ہو' موسیقار ہو' سنگ تراش ہو یا کوئی بھی فنکار ہو۔ وہ رات کی تنہائیوں میں' سکون سے سناٹے میں کام کرتے ہیں۔ ایسے میں کسی تیسرے کی مداخلت ہو تو کام میں خلل پڑتا ہے۔"

اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے پوچھا۔ "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ رات کی

تنہائیوں میں انجلی کے ساتھ تنہا رہ کر کام کرو گے؟"

"جس چار دیواری میں کام کروں گا۔ وہاں تنہائی بہت ضروری ہے۔ اس چار دیواری کے باہر آپ مسلح پہرہ داروں کے ذریعے ہماری نگرانی کرا سکتے ہیں۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے یہ تدبیر سوچی تھی کہ اپنی بہن کی کم از کم پندرہ مورتیاں مختلف انداز میں بنوائے گا۔ ہر مورتی اپنے اندر ایک عجیب سی کشش رکھے گی۔ ولی عہد شہزادہ سلیم حسن پرست ہے۔ جب وہ ان مورتیوں کا حسن' ان کی ادائیں' ان کے مختلف انداز دیکھے گا تو انجلی پر فریفتہ ہو جائے گا۔ دیوانہ ہو کر اسے اپنی حرم میں لے آئے گا۔ یوں سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق مستقبل کے بادشاہ کا رشتہ دار بن کر سلطنتِ مغلیہ کا بے تاج بادشاہ بن سکے گا۔

وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ آزر کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "تم ہمارے آگرہ کے محل میں چلو گے۔ مورتیاں بنانے کے لئے محل کے جس حصے کو پسند کرو گے' وہاں تمہاری ضرورت کا تمام سامان پہنچا دیا جائے گا۔ رات کے پہلے پہر سے تیسرے پہر تک انجلی تمہارے سامنے رہا کرے گی۔ اس چار دیواری کے باہر مسلح داسیاں پہرہ دیتی رہیں گی۔ تم دروازے اور دریچے کھلے رکھو گے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "ایسے تو کام نہیں ہو سکے گا۔ دریچے پر ایک چڑیا بھی آ کر بیٹھے گی تو تنہائی میں خلل پڑے گا۔ میرا ذہن جو ایک ہی کام پر مرکوز ہوتا ہے' وہ منتشر ہو جائے گا۔"

راج تلک راٹھور پھر سوچ میں پڑ گیا۔ اٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ وہ بہن کے ذریعے کوئی معمولی جُوا نہیں کھیل رہا تھا۔ شاہی خاندان سے رشتے داریاں استوار کرنے کے لئے اسے حالات سے سمجھوتہ کرنا ہی تھا۔

آخر اس نے بے بسی سے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ تم جو چاہو گے' وہی ہوگا۔ لیکن مورتیاں ایسی شاہکار ہوں کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جائے اور ساری دنیا کو بھول جائے۔"

"انشاءاللہ۔ ایسا ہی ہوگا۔"

پھر اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "مقدر مجھ پر مہربان ہے۔ انجلی کو مجھ سے دور کیا

جارہا تھا۔اب خود ہی اس کا بھائی اپنی بہن کو ہر رات میرے پاس پہنچانے والا ہے۔ایسے ہی وقت کہتے ہیں....صیاد اپنے دام میں خود آپ آ گیا....“

☆☆☆

دین الٰہی کے جگت گرو کو سیاسی حالات کمزور بنا رہے تھے۔ دست راست ابوالفضل کی ہلاکت نے اس کی کمر توڑ دی تھی۔ دین اسلام کا تحفظ کرنے والے مجاہدین کے ہاتھوں اس کے بڑے بڑے پنڈت اور علماء مارے گئے تھے۔باقی جو پرچار کرنے والے پنڈت اور علماء رہ گئے تھے۔وہ انتہائی خودغرض اور مفاد پرست تھے۔انہوں نے دین الٰہی کو کاروبار بنالیا تھا۔

اگر رعایا میں سے دس افراد دین الٰہی قبول کرتے تھے تو پنڈت اور علماء بادشاہ اکبر کے سامنے ہزاروں کی تعداد پیش کرتے تھے اور ان ہزاروں کی بیروزگاری دور کرنے‘ ہندوؤں اور مسلمانوں کی شادیاں کرنے کے لئے شاہی خزانے سے آئے دن لاکھوں روپے وصول کرتے رہتے تھے۔

جلال الدین اکبر گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا۔اسے چند مہینوں یا چند برسوں میں اپنا یہ نیا مذہب کمزور ہوتا اور نابود ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

اور ایسے ہی وقت اس کا لاڈلا شہزادہ شیخو بابا باغی ہو گیا تھا۔بغاوت کی ایک وجہ تو یہی تھی کہ وہ دین الٰہی کے خلاف تھا۔اپنے باباجانی بادشاہ وقت کے روبرو خاموش رہتا تھا۔باپ کا لحاظ کرتا تھا۔لیکن نام نہاد علماء اور پنڈتوں کا محاسبہ کرتا رہتا تھا۔

بغاوت کی دوسری وجہ مہرالنساء (نورجہاں) تھی۔وہ اسے منکوحہ بنا کر حرم میں لانا چاہتا تھا۔لیکن جلال الدین اکبر نے اس کی مخالفت کی تھی اور بردوان کے صوبیدار علی قلی خان عرف شیر افگن سے مہرالنساء کی شادی کرادی تھی۔باپ کے اس اقدام نے بیٹے کو ضدی اور سرکش بنا دیا تھا۔ان سیاسی حالات کے پس منظر میں آزر شیرازی آگرہ پہنچ گیا۔وہاں راج تلک راٹھور کی ایک محل نما عمارت تھی۔اس محل کے ایک دور اُفتادہ گوشے کو آزر کے لئے وقف کر دیا گیا۔سنگ تراشی کا تمام ضروری سامان وہاں مہیا کر دیا گیا۔

انجلی کے ماں باپ اس بات پر معترض تھے کہ ان کی بیٹی ہر رات اس مسلمان کے

پاس جایا کرے گی اور رات کے پچھلے پہر آیا کرے گی۔ماں نے کہا۔”میں اس بات سے مطمئن نہیں ہوں کہ صرف داسیاں اس بند کمرے کے باہر پہرہ دیتی رہیں گی۔میں بھی رات کو وہاں رہا کروں گی۔“

اس کے پتی دیو نے کہا۔”تم وہاں بند کمرے کے باہر رہ کر کیا کرلو گی؟“

”میں بند دروازوں اور کھڑکیوں کے پاس رہ کر سن گن لیتی رہوں گی۔کچھ تو معلوم ہوگا کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟“

ان کے بیٹے راج تلک راٹھور نے اپنی آنکھوں میں ایسے خواب سجائے تھے۔اتنی زبردست پلاننگ کی تھی کہ اس پر عمل کرنے کے لئے اعتراضات کرنے والے ماں باپ کا بھی منہ بند کر دیتا تھا۔اس نے کہہ دیا۔”ماں جی....! آپ کو وہاں جانے کی اور کسی طرح سن گن لینے یا ٹوہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ہم اپنی بہن کا اچھا برا خوب سمجھتے ہیں۔“

ماں نے کہا۔”بیٹے....! کچھ تو سوچو‘ ان پہرہ دینے والیوں میں کوئی تو پیٹ کی ہلکی ہوگی۔باہر تک خبر پہنچائے گی کہ ہم اپنی بیٹی کو رات کے وقت ایک مسلمان کے پاس بھیجتے ہیں۔“

وہ بولا۔”ہمارے محل میں جتنی مسلح داسیاں ہیں۔وہ سب ہماری وفادار اور نمک حلال ہیں۔گھر کی بات باہر نہیں جائے گی۔“

پہلی رات جب انجلی آزر کے بند کمرے میں آئی تو خوش بھی تھی اور شرما بھی رہی تھی۔آزر سحر زدہ سا ہو کر اس کے شرمانے اور لجانے کی ادائیں دیکھ رہا تھا اور اپنے ذہن میں محفوظ کر رہا تھا کہ ایک شرمیلی دوشیزہ کا مجسمہ کیسے تراشے گا؟ وہ اس کی حیا کے اظہار کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کر رہا تھا۔اور نظارہ حسن سے محظوظ ہو رہا تھا۔

وہ شرماتے ہوئے بولی۔”تم نے بڑی چالاکی سے میرے بھیا کو رام کیا ہے اور مجھے پتہ نہیں کتنی راتوں تک اپنے پاس بلاتے رہو گے؟“

اس نے قریب آ کر پوچھا۔”کیا تمہیں اعتراض ہے؟“

اس نے چور نظروں سے بند کھڑکیوں اور دروازوں کو دیکھا۔پھر یکبارگی اس سے لپٹ گئی۔اس نے جب سے سنا تھا کہ وہ اس کی مورتیاں بنانے والا ہے اور آگرہ پہنچ کر

تنہائی میں اس کے ساتھ راتیں گزارنی ہیں' تب سے وہ بے چین ہو گئی تھی۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ تنہائی میں سیلاب کے آگے بند نہیں باندھ سکے گی۔

اور یہ حقیقت بھی تھی۔ بند کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو' سیلاب کے ایک ہی ریلے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے بند بھی ایک ایک کر کے ٹوٹتے چلے گئے۔ وہ کلا کار تھا۔ اس کی سانسوں کا پنچھی چہرے کے ایک ایک نقوش پر اتر رہا تھا۔ کبھی پرواز کر رہا تھا' کبھی کہیں پہنچ رہا تھا۔ اس کے سراپے کے ایک ایک اتار چڑھاؤ کو مجسمے میں ڈھالنا تھا۔ اس لئے بدن کے ایک ایک ناپ تول کا حساب ذہن میں محفوظ کرتا جا رہا تھا۔

رات کا تیسرا پہر گزرا تو وہ بچھڑتے وقت رونے لگی۔ کہنے لگی۔ ''یہ تم نے کیا کر دیا ہے؟ اب میں تم سے الگ نہیں رہ سکتی۔''

وہ اپنے ہونٹوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ ''ہر صبح جدائی کے بعد ملن کی رات آئے گی۔ ہم ایک دوسرے کے مقدر میں لکھے گئے ہیں۔ آنسو اچھی طرح پونچھو اور ہشاش بشاش ہو کر یہاں سے جاؤ۔ تا کہ کسی کو کسی طرح کا شبہ نہ ہو۔''

آنے والی رات پھر ملن کی ہو گی۔ اس لئے وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی آزر نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر بستر کے نیچے سے ایک مورتی نکالی۔ وہ مکمل نہیں تھی۔ اس کا صرف سراپا تھا۔ اس نے دن کے وقت ہی اسے تراش لیا تھا۔ تا کہ راج تلک راٹھور صبح کسی وقت آ کر پچھلی رات کی کارکردگی دیکھنا چاہے تو اسے معلوم ہو کہ وہ رات بھر کام کرتا رہا ہے۔

ابھی صبح ہونے میں تین گھنٹے باقی تھے۔ وہ آرام سے بیٹھ کر انجلی کو تصور میں دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو اپنے ذہن میں تازہ کرنے لگا اور پھر اسی کے مطابق اس مورتی پر چہرے کے نقوش اتارنے لگا۔

دوسری صبح راج تلک راٹھور نے وہاں آ کر دیکھا۔ کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ وہ اسے پوری طرح کھولتا ہوا اندر آیا۔ آزر شیرازی گہری نیند میں تھا۔ اس کے قریب مختلف اوزار کے درمیان ایک مورتی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے قریب آ کر دیکھا۔ اگرچہ چہرے کے نقوش واضح نہیں تھے۔ لیکن انجلی کی صورت ہلکی ہلکی سی جھلک رہی

تھی۔ سراپا بھی واضح نہیں تھا۔ مگر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ انجلی شرمائی سی لجائی سی بڑی ہی پرکشش اداؤں کے ساتھ کھڑی ہوئی ہے۔

اس نے خوش ہو کر آزر شیرازی کی طرف دیکھا۔ یہ اطمینان ہوا کہ وہ رات بھر کام کرتا رہا تھا۔ پھر اس نے زنان خانے میں پہنچ کر بہن کو دیکھا۔ وہ بھی گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے سوچا۔ ''بیچاری ساری رات لجائی شرمائی سی کھڑی رہی تھی۔ تب ہی آزر انجلی کا ایسا ہی مجسمہ تیار کرتا رہا تھا۔''

وہ بہن کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیر کر وہاں سے چلا آیا۔ آزر دن کے دوسرے پہر تک سوتا رہا۔ پھر بیدار ہو کر کچھ کھانے پینے کے بعد دروازہ بند کر کے اوزار لے کر بیٹھ گیا اور مورتی کے نقوش ذرا واضح کرنے لگا۔ کسی حد تک اس کے بدن کے نشیب و فراز کو بھی اُجاگر کیا۔ یعنی اس حد تک کام کر دیا کہ آئندہ دوسری صبح راج تلک راٹھور اس مورتی کو دیکھ کر پھر مطمئن ہو جاتا کہ اس نے اچھا خاصا کام کیا ہے۔

دوسری رات بھی اس نے اور انجلی نے دیوالی منائی۔ ایسی دیوالی منائی کہ غیرت مند کہلانے والے راجپوت کو اپنے دیوالیہ ہونے کا شبہ تک نہ ہو سکا۔ وہ اندھا سودا گر تھا۔ بہن کی جوانی کو شاہی حرم میں پہنچا کر اندھا معاوضہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ بھول گیا تھا کہ دانے دانے پر کھانے والا کا نام لکھا ہوتا ہے۔ انجلی کے ایک ایک نقش پر' بدن کے ایک ایک زاویئے پر آزر شیرازی کا نام لکھا ہوا تھا اور..... لکھا ہوا تو پورا ہوتا ہی ہے۔

اس نے پانچویں دن وہ مورتی مکمل کی۔ راج تلک نے آ کر اسے دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ اسے دور سے دیکھتے ہی یوں لگتا تھا' جیسے انجلی زندہ سانس لیتی ہوئی شرماتی لجاتی سی کھڑی ہوئی ہے۔

اس نے کہا۔ ''تمہاری کلا کا جواب نہیں ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تم نے جی جان سے اسے بنایا ہے۔ لیکن بڑی دیر کی ہے۔ ہم نے سنا ہے' تم نے پہلی مورتی ایک یا دو دن میں بنا دی تھی؟''

وہ بولا۔ ''میں نے پہلی مورتی صرف ایک ہی رات میں بنائی تھی۔ وہ اس لئے کہ وہ مٹی کی مورت ہے اور یہ پتھر سے تراشی گئی ہے۔ پتھر کو تراشنے میں بہت وقت لگتا

ہے۔ آپ کہیں تو میں مٹی کی مورتی بنانا شروع کر دوں۔ ہر تیسرے دن ایک نئی مورتی تیار ہو جائے گی۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں۔ جو سندرتا اور کشش اس پتھر کی مورتی میں ہے' وہ مٹی کی مورت میں نہیں آسکتی۔ کوئی بات نہیں۔ ہر پانچ راتوں کے بعد ایک مورتی تیار کرو۔ اس طرح ڈھائی مہینے میں کم از کم پندرہ مورتیاں تیار ہو جائیں گی۔"

اگلی پانچ راتوں کے بعد ایک اور مورتی تیار ہو گئی۔ وہ اسے بھی دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "تم غضب کے کلاکار ہو۔ اگر ایسی ہی مورتیاں بناتے رہے تو دربار شاہی میں تمہاری واہ واہ ہو جائے گی۔ ولی عہد ضرور تمہیں کوئی بہت بڑا عہدہ دیں گے۔"

پھر اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "پتہ نہیں تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟ مگر شاہی خاندان سے ہماری رشتے داری پکی ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔"

وہ اپنی انگلی سے ہیرے کی ایک انگوٹھی اتار کر آزر کو پہناتے ہوئے بولا۔ "یہ بہت قیمتی ہیرا ہے۔ اس کے بعد بھی تمہیں انعام ملتا رہے گا۔ دل لگا کر ایسی ہی شاہکار مورتیاں بناتے رہو۔"

وہ اس کے شانے کو تھپک کر وہاں سے چلا آیا۔ اپنی خوابگاہ میں پہنچا تو اس کا باپ سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "ہم آگرہ سے دہلی تک کی خبر رکھتے ہیں۔ یہ سننے میں آ رہا تھا کہ مہابلی اور ولی عہد کے درمیان زبردست کشیدگی ہے۔ شہزادہ سلیم باغی ہو گیا ہے اور اس کی بغاوت کی وجہ مہرالنساء ہے۔"

بیٹے نے کہا۔ "راج گھرانوں میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ مگر آپ کیوں پریشان ہیں؟ اس طرح سر جھکائے کیوں بیٹھے ہیں؟"

"یہ بات ہر ایک کی زبان پر ہے کہ شہزادہ مہرالنساء کا عاشق ہے۔ اس کا دیوانہ ہے۔ اگرچہ وہ پرائی ہو گئی ہے۔ پھر بھی وہ اسے حاصل کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہے۔ تم کہتے ہو وہ ہماری انجلی کی مورتیاں دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جائے گا؟ مگر کیسے ہوگا؟ اس کے دل و دماغ پر تو مہرالنساء چھائی ہوئی ہے؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "شہزادہ عاشق نہیں ہے۔ ضدی ہے۔ اسے یہ ضد ہو گئی ہے کہ

مہابلی نے مہرالنساء کو اس سے چھین کر شیر افگن کی جھولی میں ڈال دیا ہے۔ شہزادہ اسے دوبارہ حاصل کرلے گا تو اُس کی ضد پوری ہو جائے گی۔ پھر وہ مہرالنساء کو حرم میں لا کر بھول جائے گا۔ وہ کوئی عاشق نہیں ہے۔ صرف حسن پرست ہے۔"

"اگر وہ ہماری انجلی کو پسند کرلے گا تو اسے بھی حرم میں لانے کے بعد بھول جائے گا۔"

"آپ خواہ مخواہ بحث کرتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ہماری انجلی کتنی سندر ہے؟ مہرالنساء اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے۔ انجلی کا جادو ایسا سر چڑھ کر بولے گا کہ..."

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ پھر جھنجھلا کر بولا۔ "ہم اس کے بھائی ہیں اور آپ پتا ہیں۔ ہم کھل کر کیسے بولیں کہ انجلی کا جادو کس طرح سر چڑھ کر بولے گا؟ مگر جب تک جادو بولتا رہے گا' تب تک ہم بہت سے فائدے حاصل کر چکے ہوں گے۔"

بیٹے کو برتری حاصل تھی۔ باپ اس کی مرضی کے خلاف زیادہ بول نہیں سکتا تھا۔ اس لیے چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ ایک ماہ بعد انجلی کی ماں نے پریشان ہو کر اس کے باپ سے کہا۔ "آپ بیٹی کو دیکھ رہے ہیں۔ کیسی بدل گئی ہے؟"

باپ نے پوچھا۔ "بدل گئی ہے....؟ ہم کچھ سمجھے نہیں.....؟"

"آپ سمجھیں گے بھی نہیں۔ عورت' عورت کو سمجھتی ہے۔ انجلی اب پہلے جیسی معصوم نہیں رہی ہے۔ ایک باپ کے سامنے کہنا تو نہیں چاہیے۔ مگر کہے بغیر رہ بھی نہیں سکتی۔ اس کے کولہے بھاری ہو گئے ہیں۔ چولی تنگ ہونے لگی ہے۔ وہ اسے تنگ کر رہا ہوگا اور آپ یہاں انجان بنے بیٹھے ہیں۔"

باپ کو شرم آئی۔ وہ منہ پھیر کر بولا۔ "بیٹا ہمیں تنگ کر رہا ہے۔ ہم کچھ بھی کہیں گے تو وہ ہماری نہیں سنے گا۔ اپنی ہی من مانی کرتا رہے گا۔"

ماں نے کہا۔ "میں تو بھگوان سے پرارتھنا کرتی ہوں کہ وہ مسلمان مرجائے یا ہمیں موت آجائے۔ اس بڑھاپے میں ایسا تماشا تو نہ دیکھیں۔"

رام تلک راٹھور کی یہ تشویش بھی بجا تھی کہ شہزادہ سلیم مہرالنساء کے عشق میں گرفتار ہے۔ وہ انجلی کو یا کسی اور کو اپنے دل و دماغ میں جگہ نہیں دے گا۔ شہزادہ سلیم کے امراء

اور مشیر خاص سمجھا رہے تھے کہ اُسے مہابلی سے بغاوت نہیں کرنی چاہئے۔ وہ باپ کا جاں نشین ہے۔ تخت و تاج اسی کو ملنے والا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مہابلی طیش میں آ کر اپنا فیصلہ بدل دیں اور تخت و تاج کا جاں نشین کسی دوسرے شہزادے کو بنا دیں۔

شہزادہ سلیم نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''ہم بابا جانی کا دل ہیں۔ ان کی جان ہیں۔ وہ ہمیں شیخو بابا کہتے ہیں۔ انہیں خواہ کتنا ہی غصہ آئے' وہ ہم سے تخت و تاج نہیں چھینیں گے۔''

ایک امیر نے کہا۔ ''آپ بھی ان کے پیار کا جواب پیار سے دیں۔ مہرالنساء کی خاطر انہیں طیش دلانا مناسب نہیں ہے۔''

اس نے کہا۔ ''جب تک بابا جانی بقید حیات ہیں۔ تب تک ہم شیر افگن کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی مہرالنساء کو حاصل کر سکیں گے۔ ہم بابا جانی کی لمبی عمر کی دعائیں مانگتے ہیں۔ انہیں ناراض بھی نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن مصلحتاً بغاوت کر رہے ہیں۔ شیر افگن کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہم خود ہی بابا جانی کے قدموں میں جھک جائیں گے۔ وہ ہماری ساری غلطیاں بھول کر ہمیں ضرور معاف کریں گے۔''

اسے نور جہاں کی طلب تھی۔ وہ اس کے لئے دیوانہ ہو رہا تھا۔ شام ہوتے ہی پینا شروع کرتا تھا۔ پھر پیتے پیتے مدہوش ہو کر سو جاتا تھا۔ ایسے وقت بیگمات کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اور حرم کی کنیزوں سے بھی رجوع نہیں کرتا تھا۔ اس نے جیسے قسم کھا لی تھی کہ جب تک مہرالنساء کو حاصل نہیں کرے گا۔ تب تک کسی حسینہ کی طرف مائل نہیں ہوگا۔ بس پیتا رہے گا۔ غم غلط کرتا رہے گا اور جو مطالبہ غلط ہے۔ اسے ہر حال میں صحیح کہتا رہے گا۔

مہرالنساء علی قلی خاں عرف شیر افگن کی زوجہ کی حیثیت سے بردوان میں تھی۔ یہ سمجھ رہی تھی کہ ضدی شہزادہ اسے حاصل کر کے ہی رہے گا۔ وہ بہت ذہین تھی۔ دور تک سوچتی تھی کہ جو آج ولی عہد ہے' وہ کل کا بادشاہ ہوگا۔ وہ اپنی دُور رس نگاہوں کے سامنے خود کو ہندوستان کی ملکہ کی حیثیت سے دیکھتی رہتی تھی۔

تاریخ میں مختلف مؤرخین نے مہرالنساء عرف نور جہاں کو مختلف روپ میں پیش کیا

ہے۔ کوئی مؤرخ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ شیر افگن کی ایک پاکباز بیوی تھی۔ شہزادہ سلیم عرف جہانگیر کی طرف مائل نہیں تھی۔ اس نے اپنے شوہر کے قتل پر احتجاج کیا تھا۔ بیوہ ہونے کے بعد ایک طویل عرصے تک جہانگیر کی طرف مائل نہیں ہوئی تھی۔ پھر اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔

بعض مؤرخین دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ مہرالنساء بہت ہی دور اندیش اور مصلحت اندیش تھی۔ حالات کا رخ دیکھ کر اپنے ارادے اور فیصلے بدل دیتی تھی۔ عقل و دانش کی حامل کوئی بھی عورت ہو' وہ سب سے نمایاں مقام حاصل کرنا اور کسی ملک کی حکمران بننا ضرور چاہتی ہے۔ اس کے ذہن میں بھی یہ بات نقش ہو چکی تھی کہ مستقبل کا بادشاہ اس کے عشق میں مبتلا ہے۔ لہٰذا عشق کے شعلوں کو ہوا دیتے رہنا چاہئے۔

شہزادہ سلیم اِلٰہ آباد میں تھا اور وہ بردوان میں تھی۔ روبرو ملاقات کی کوئی سبیل نہ تھی۔ نہ یہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی معشوق و مطلوب تک پہنچ سکتا تھا اور نہ ہی وہ کسی بہانے اس سے مل سکتی تھی۔

پھر بھی مہرالنساء نے شہزادے کو اپنا دیوانہ بنائے رکھنے کی تدبیر کی۔ اس نے اپنی چند کنیزوں کو اپنا رازدار بنا لیا۔ وہ کنیزیں حرم سرا کے باہر اپنے عاشقوں سے ملتی تھیں اور ان کے ذریعے مہرالنساء کا پیغام شہزادہ سلیم تک پہنچاتی تھیں۔

پیغام نہایت مختصر ہوتا تھا۔ وہ اپنے طالب کو تڑپانا ترسانا جانتی تھی۔ لہٰذا اس نے پہلی بار بڑے ہی اختصار سے لکھا۔ ''ایک محبت کرنی والی عورت کے دل میں پہلا تاثر ہی آخری تاثر ہوتا ہے۔ وہ اس پہلے تاثر کو کبھی بھلا نہیں پاتی۔ کیا آپ کو ہماری پہلی ملاقات یاد ہے؟''

شہزادہ اس مختصر سی تحریر کو پڑھ کر تڑپ گیا۔ اس تحریر نے سمجھا دیا کہ مہرالنساء پرائی ہونے کے باوجود اُسی کو یاد کرتی ہے۔ یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ شہزادے کو پہلی ملاقات محبت کے ابتدائی ایام یاد بھی ہیں یا نہیں؟

شہزادہ سلیم کی نگاہوں کے سامنے پہلی ملاقات کا منظر دکھائی دینے لگا۔ وہ جشن روز کے موقع پر مینا بازار کی سیر کو نکلا تھا۔ وہ مینا بازار شاہی بیگمات اور دیگر اعلیٰ خاندان خواتین کے لئے منعقد کیا جاتا تھا۔ اس بازار میں عورتیں دکاندار ہوتی تھیں اور عورتیں خر

خریدار ہوتی تھیں۔طرح طرح کے کھیل تماشوں کا اہتمام بھی عورتیں ہی کرتی تھیں۔اُس مینا بازار میں بادشاہ اور شہزادوں کے سوا کسی مرد کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔

حرم سرا کی چار دیواری میں اور اپنے اپنے گھروں کے اندر پردے میں رہنے والی خواتین اس بازار میں آزادی سے گھومتی پھرتی تھیں۔نوجوان عورتیں اور نوخیز دوشیزائیں رنگارنگ ملبوسات میں دور تک چمکتی اور چہکتی دکھائی دیتی تھیں۔ہر طرف رنگ و نور کا جلوہ شوقِ دید کو پکارتا رہتا تھا۔ایسے ہی حسن و شباب کے میلے میں شہزادہ سلیم نے پہلی بار مہرالنساء کو دیکھا تھا۔

داستان کے اس موڑ پر انجلی اور آزر شیرازی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔آزر نے کمبھ کے میلے میں انجلی کو دیکھا تھا اور اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا تھا۔دوسری طرف شہزادہ سلیم نے مینا بازار میں آکر حسن و شباب کے میلے میں مہرالنساء کو دیکھا تو دیکھتے ہی اپنا دل ہار گیا۔

آزر اور سلیم دونوں کے عشقیہ حالات ایک جیسے تھے۔ایک کی مخالفت بادشاہِ وقت نے کی۔مہرالنساء کو چھین کر دوسرے کی جھولی میں ڈال دیا۔دوسرے کی مخالفت انجلی کے باپ اور بھائی کر رہے تھے۔بھائی نے تو بہن کو شاہی حرم میں پہنچانے کا پکا منصوبہ بنا لیا تھا۔وہ اُس پر عمل کر رہا تھا۔دونوں عاشقوں کے مقدر میں کیا لکھا ہے‘ یہ آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

اس وقت شہزادہ سلیم مہرالنساء کی مختصر سی تحریر کو پڑھ کر اُن لمحات کو یاد کر رہا تھا۔جب وہ پہلی بار اس کی نگاہوں کے سامنے آئی تھی۔وہ مینا بازار میں دوسری خواتین سے ذرا دور پھولوں کے کنج میں ایک پھول کی طرح کھلی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔شہزادہ اس کی طرف کھنچتا چلا گیا تھا۔

مہرالنساء ایک اجنبی شہزادے کو دیکھ کر اس سے کترانا چاہتی تھی۔وہ اس کے سامنے آکر بولا۔"بادشاہ اور شہزادوں سے کوئی دوشیزہ پردہ نہیں کرتی۔"

وہ بولی۔"ہم نے کبھی کسی نامحرم سے بات نہیں کی۔خدارا! ہمیں جانے دیں۔"

"ہم نے کہا ناں‘ بادشاہ اور شہزادے نامحرم نہیں کہلاتے۔جانتی ہو‘ ہم ولی عہد

شہزادہ سلیم ہیں؟"

مہرالنساء نے چونک کر نظریں اٹھا کر دیکھا تو اس کی سہمی ہوئی سی‘ چونکنے والی ہرنی جیسی آنکھیں شہزادے کے دل و دماغ میں نقش ہو گئیں۔دھڑکنوں کو تیز کرنے لگیں۔اس کے شرمانے اور کترانے کی ادائیں ایسی دل نشیں تھیں کہ وہ اسے دیکھتا ہی چلا گیا۔

وہ ذرا ایک قدم پیچھے ہوتے ہوئے بولی۔"مہابلی کا حکم ہے‘ مینا بازار میں کوئی شہزادہ کسی دوشیزہ کو ہاتھ نہ لگائے۔دور ہی سے گفتگو کرے۔"

اس نے کہا۔"تم دیکھ رہی ہو‘ ہم تم سے فاصلہ رکھے ہوئے ہیں۔خدا گواہ ہے‘ ہم جبر کرنے نہیں‘ تمہیں پیار سے راضی کرنے آئے ہیں۔اس پہلی ملاقات میں کوئی بہت ہی قیمتی تحفہ دینا چاہتے ہیں۔بولو۔تم کیا چاہتی ہو؟ تمہاری پسند کیا ہے؟"

"آپ ہم سے ہماری پسند نہ پوچھیں۔"

"بادشاہ اور شہزادوں کے احکامات کی تعمیل لازمی ہوتی ہے۔ہم حکم دیتے ہیں‘ ہمیں بتاؤ‘ تمہاری پسند کیا ہے؟"

وہ جھجکتے ہوئے بولی۔"یہاں مینا بازار کی ایک دکان میں ایک آتشی ہیرا ہے۔بہت ہی قیمتی ہے۔اتنا قیمتی کہ ہم اسے چھو بھی نہیں سکتے۔وہ ہمیں پسند ہے۔ہم اُسے چھونا چاہتے ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولا۔"بس اتنی سی بات ہے؟ وہ آتشی ہیرا ہم نے بھی دیکھا ہے۔تم یہاں ٹھہرو۔ہم ابھی اسے لے کر آتے ہیں۔"

مہرالنساء نے سر جھکا لیا۔اس نے پوچھا۔"ہمارے جانے کے بعد یہاں سے چلی تو نہیں جاؤ گی؟ ہمیں دھوکہ تو نہیں دو گی؟"

مہرالنساء نے انکار میں سر ہلایا۔اس وقت شہزادے کے ہاتھوں میں دو کبوتر تھے۔اس نے ان دو کبوتروں کو مہرالنساء کے ہاتھوں میں پکڑاتے ہوئے کہا۔"یہ ہماری امانت ہے۔اگر انہیں لے کر ہم سے چھپنا یا کہیں چلی جانا چاہو گی تو امانت میں خیانت کرنے والی کہلاؤ گی۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا اور جاتے جاتے اسے کبوتروں کو سنبھالنے کی ذمہ داری

سونپ گیا۔ اب وہ اس کی امانت واپس کیے بغیر وہاں سے جا نہیں سکتی تھی۔ لہٰذا اس کا انتظار کرنے لگی۔

شہزادہ وہ آتشی ہیرا خرید کر واپس آیا تو مہرالنساء کے ہاتھوں میں دو کبوتروں کے بجائے ایک ہی کبوتر دکھائی دیا۔ وہ بہت پریشان تھی۔ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "ایک کبوتر کیا ہوا؟"

وہ جھجکتے ہوئے بولی۔ "صاحب عالم! وہ۔ وہ تو اُڑ گیا......"

اُس کا حسن و جمال اور لہجے کی سادگی شہزادے کو سحر زدہ کر رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کیسے اُڑ گیا....؟"

وہ اپنے آپ میں سمٹتے ہوئے بولی۔ "کیا بتائیں؟ کیسے بتائیں؟"

"ہمیں بتاؤ.... یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ہاتھوں سے کیسے نکل گیا...؟"

مہرالنساء نے دوسرے کبوتر کو فضاء میں اچھالتے ہوئے کہا۔ "ایسے...."

وہ دوسرا کبوتر بھی اُڑتا چلا گیا۔ اس نے اتنی معصومیت سے دوسرے کبوتر کو اُڑایا تھا کہ شہزادہ جہانگیر پہلے تو دم بخود رہ گیا۔ اس عنفوانِ شباب کی شوخ ادائی پر دل ہی دل میں لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے اس کا ایک ہاتھ تھام لیا۔

وہ کسمساتے ہوئے بولی۔ "خدارا! ایسی جُرات نہ کریں۔ ہمارا ہاتھ چھوڑ دیں۔"

وہ بولا۔ "ایک قیمتی تحفہ دینے والا ہاتھ پکڑنے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ یہ لو۔"

اس نے نرم و گداز سی ہتھیلی پر اس آتشی ہیرے کو رکھ دیا۔ شہزادے کے مزاج میں رومانیت تھی۔ وہ مہرالنساء کی سادگی اور ادائے دلبری سے بے حد متاثر ہوتا جا رہا تھا۔ اس دور کے ایک شاعر شیخ عاقل نے مستقبل کی نور جہاں اور جہانگیر کے اس رومانی واقعے کو بڑی خوبصورتی سے فارسی میں لکھا ہے۔

دو کبوتر داد اور شاہزادہ
بہ پرواز کبوتر دل نہادہ
دگر چوں دیدہ دست آں ہمہ ناز
کبوتر کردہ بود از دست پرو

از پرسیدش چہ کردی آں کبوتر
بگفتا وقت از دستم سراسر
دگر پرسید چوں رفتہ بگر ناز
بگفتا این چنیں کردست پرواز
چنیں گفت و کبوتر داد پرواز
ادائیش لطف پیدا کرد باناز
جوائیش در ادائے دلبری دید
تبسم کرد طرحش را پسندید
دل شہزادہ را حسن و ادائیش
بہم آموخت عشق فتنہ زائیش

جب دل سے دل ملتے ہیں تو چوری چھپے ملاقات کی راہیں بھی ہموار ہونے لگتی ہیں۔ انجلی اور آزر شیرازی کی چور ملاقاتوں کی راہ ایسی ہموار ہوئی تھی کہ کوئی ان پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ایک رات مہرالنساء اور سلیم کی چوری پکڑی گئی۔ جلال الدین اکبر نے شہزادے کو طلب کیا۔ پھر پوچھا۔ "جب تمہیں شادیاں کرنے اور کنیزیں رکھنے کی کھلی اجازت ہے تو یوں چھپ چھپ کر ملنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

شہزادے نے کہا۔ "ہمارے بابا جانی بہت ہی فراخ دل ہیں۔ ہمیں ہر بات کی کھلی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن اپنی پسند سے شادی کرنے نہیں دیتے۔ جبکہ ہم مہرالنساء کو اپنی منکوحہ بنانا چاہتے ہیں۔"

بادشاہ اکبر نے کہا۔ "یہ خیالِ خام دل سے نکال دو۔ مہرالنساء اعلیٰ خاندان سے ضرور ہے۔ لیکن شاہی خاندان سے نہیں ہے۔ ہماری سیاسی مصلحتوں کو سمجھو۔ راجہ راول بھیم سرکشی پر آمادہ تھا۔ ہم اس کی بیٹی کو اپنی بہو بنانے کا وعدہ کر کے اسے اپنے زیرِ اثر لے آئے ہیں۔ تمہاری شادی اس راج گھرانے میں ہوگی اور تم جانتے ہو کہ ہمارا فیصلہ پتھر کی لکیر ہوا کرتا ہے۔"

مختصر یہ کہ اس پتھر کی لکیر نے مہرالنساء کو شیر افگن کی جھولی میں ڈال دیا اور شہزادہ

سلیم کو باغی بنا دیا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ کسی سے کوئی چیز چھین لی جائے تو اسے حاصل کرنے کے لئے بے چینی، تڑپ اور ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ اب آزر شیرازی کی زندگی میں بھی وہ مرحلہ آرہا تھا۔ انجلی اس سے چھن جانے والی تھی۔ کیونکہ اس کی پندرھویں مورتی بھی تیار ہو چکی تھی۔

اس کے بعد نہ تو اس کی مورتی بنانے کی اجازت ملنے والی تھی اور نہ ہی وہ راتوں کو اس کی تنہائی میں آنے والی تھی۔ جدائی کی لمحات للکار رہے تھے اور پوچھ رہے تھے۔ "اب ان کا کیا بنے گا....؟"

راج تلک راٹھور ان مورتیوں کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ وہ ایسی شاہکار مورتیاں تھیں کہ پہلی ہی نظر میں نگاہوں کو اور دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھیں۔ اسے پورا یقین تھا، ولی عہد شہزادہ سلیم اس کی بہن کا اسیر ہو جائے گا۔

اس نے متوقع کامیابی کی خوشی میں آزر کو انعام دیا اور کہا۔ "آج کے بعد تم یہاں سے دور ایک الگ مکان میں رہو گے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ تمہارے جیسے بے مثال کلاکار کو شاہی دربار میں طلب کیا جائے۔"

پھر اس نے بہن کو حکم دیا۔ "آج سے تم اس محل کی چار دیواری میں رہوگی۔ باہر قدم نہیں نکالو گی۔"

پھر اس نے داسیوں کو حکم دیا۔ "انجلی کو روز دودھ سے نہلایا جائے۔ اور گلاب کی پتیوں سے بدن کو خشک کیا جائے۔ وہ حسین ہے، اس کے حسن کو اور سحر انگیز بناتی رہو گی تو تمہیں انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔"

وہ اپنی بہن کو ولی عہد کے سامنے پیش کرنے سے پہلے حسن و دلکشی کے ایک ایک پہلو کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ انجلی خوب سے خوب تر ہو کر جائے گی تو وہاں بجلی گرا کر ہی رہے گی۔

ان دنوں جلال الدین اکبر اور شہزادہ سلیم کے درمیان صلح ہو گئی تھی۔ شہزادے نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ تخت و تاج کا وارث بننے کے بعد ہی اپنی مہر النساء کو حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے باپ کے سامنے پہنچتے ہی قدموں میں گر کر معافی مانگی تو باپ نے اسے

گلے سے لگا لیا۔

شہزادہ بہت خوش تھا۔ ایسے ہی وقت راج تلک راٹھور نے اس کے سامنے حاضر ہو کر عرض کیا۔ "ولی عہد کا اقبال بلند رہے..... ایران سے ایک بے مثال سنگ تراش آیا ہے۔ وہ ایسے خوبصورت مجسمے تراشتا ہے کہ حضور دیکھیں گے تو اس کے فن کی داد دیئے بغیر نہیں رہیں گے۔"

شہزادے نے کہا۔ "ہم ایسے فنکار کا تخلیقی شاہکار ضرور دیکھنا چاہیں گے۔ اس کے بنائے ہوئے مجسموں کی نمائش کا انتظام کیا جائے۔"

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ راج تلک راٹھور نے وہ پندرہ مجسمے محل کے ایک وسیع و عریض کمرے میں پہنچا دیئے۔ ہر مجسمے کو جگہ جگہ اس طرح رکھا گیا کہ وہ روشنی میں پوری وضاحت سے دکھائی دیں۔ شہزادہ سلیم نے وہاں پہنچ کر پہلی مورتی کو دیکھا تو واہ واہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔ شوقِ دید میں اور تحریک پیدا ہوئی تو وہ دوسری مورتیوں کو بھی دیکھتا چلا گیا۔ ہر مجسمے میں انجلی کے حسن و شباب کو مختلف اداؤں سے اور مختلف انداز سے اُجاگر کیا گیا تھا۔

شہزادے کی نگاہیں ہر مورتی پر ٹھہر ٹھہر جاتی تھیں۔ انجلی رنگا رنگ لباس میں کہیں رقص کا انداز پیش کر رہی تھی۔ کہیں شرمائی لجائی سی کھڑی تھی۔ کہیں سیج پر لیٹی بڑے ہی جذباتی انداز میں کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ ہر مجسمہ شوق کو بھڑکا رہا تھا اور دل کو دھڑکا رہا تھا۔

"کون ہے یہ....؟ یہ کون ہے....؟ کیا کوئی دوشیزہ ایسی حسین اور ایسے رَس بھرے جوبن والی ہو سکتی ہے؟"

شہزادہ گھوم گھوم کر دیکھ رہا تھا اور جھوم جھوم کر پوچھ رہا تھا۔ راج تلک راٹھور نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر کہا۔ "صاحبِ عالم! یہ اس ناچیز خاکسار کی چھوٹی بہن ہے۔ ابھی سولہویں سال میں لگی ہے۔"

شہزادے نے شدید حیرانی اور بے یقینی سے پوچھا۔ "کیا واقعی.....؟ کیا یہ حسین مورتی تمہارے گھر میں جیتی جاگتی سانسیں لے رہی ہے....؟"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "یہ میری خوش نصیبی ہے کہ ایک بے مثال سندرتا نے میرے گھر میں جنم لیا ہے اور صاحبِ عالم حسن نظر رکھتے ہیں۔ یہ دودھ میں گلاب کی پتیاں بھگو کر اشنان

کرتی ہے۔ ہم نے شروع ہی سے اسے صاحب عالم کی امانت سمجھ کر ہر رات چاندنی میں سلایا ہے اور ہر صبح حضور کے نام سے جگایا ہے۔ یہ آپ کی عادی ہے۔ آپ کی باندی ہے۔"

شہزادہ ایک ایک مجسمے کو ڈوب ڈوب کر دیکھ رہا تھا۔ اس کی باتیں سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "نام کیا ہے....؟"

"انجلی......"

"نام بھی خوبصورت اور شاعرانہ ہے۔ ہم نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ مورتیاں حسین ہیں یا وہ ان سے بڑھ کر حسن کا شاہکار ہے؟"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "صاحب عالم جب بھی حکم کریں گے اُسے پیش کر دیا جائے گا۔"

"پہلے تو ہم اس سنگ تراش سے ملنا چاہیں گے۔ کیا غضب کا تخلیق کار ہے۔ آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ انسانی ہاتھ ایسے مجسمے تراش سکتے ہیں۔"

"میں اس کلاکار کو ابھی پیش کر سکتا ہوں۔ وہ باہر شرف باریابی کا منتظر ہے۔"

"اسے فوراً حاضر کیا جائے۔"

راج تلک راٹھور الٹے قدموں چلتا ہوا اس وسیع و عریض کمرے سے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ آزر شیرازی تھا۔ آزر حاضر ہوتے ہی کورنش بجا لایا۔ شہزادے نے راج تلک راٹھور سے کہا۔ "تم جا سکتے ہو۔"

وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ یہ سننا چاہتا تھا کہ اس کی بہن انجلی کے متعلق آزر سے کیسے سوالات کئے جائیں گے اور وہ کیا جوابات دے گا؟ لیکن حاکم کے حکم کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ وہ مجبوراً وہاں سے چلا گیا۔

شہزادے نے آزر کو دیکھ کر پوچھا۔ "یہ مجسمے تم نے تراشے ہیں؟"

وہ سر جھکا کر دست بستہ ہو کر بولا۔ "جی حضور...! غلام نے محنت کی ہے۔ اگر یہ کسی قابل ہیں تو داد چاہوں گا۔"

"تم صرف تعریف کے نہیں۔ بے حد و حساب انعامات کے مستحق ہو۔ یہ بتاؤ' کیا اس کا نام انجلی ہے؟"

"جی حضور...! نام بھی اتنا خوبصورت ہے۔ کہ سیدھا دل میں اترتا ہے۔"

شہزادے نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارے دل میں بھی اتر گیا ہے؟"

اس نے چونک کر سر اٹھا کر شہزادے کو دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ "ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں' کیا وہ ان مجسموں کی طرح حسین اور دل نشین ہے؟"

"بخدا....ان سے بھی زیادہ حسین ہے۔"

"ان مجسموں کو تراشتے وقت وہ تمہارے روبرو رہتی ہوگی؟"

"یہ تو لازمی ہے۔ جب تک کوئی روبرو نہ ہو اس کا مجسمہ تراشا نہیں جا سکتا۔"

"تم صحت مند خوبرو جوان ہو۔ کیا اسے دیکھ کر تمہارا دل دھڑکتا نہیں تھا؟ تم ایک عام انسان نہیں ہو۔ بہت زبردست فنکار ہو۔ حسنِ نظر رکھتے ہو۔ کیا اسے چھونے کے لئے دل نہیں مچلتا تھا؟"

آزر نے سر جھکا لیا۔ جواب دیتے ہوئے جھجکنے لگا۔ شہزادے نے کہا۔ "یہ دن رات تمہارے پاس آتی رہی ہوگی اور تم اسے تراشتے رہے ہو گے۔ جام کو چھلکنے سے پہلے ہونٹوں سے لگا لیا جاتا ہے۔ کیا تم لب دریا پیاسے رہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "جان کی امان ہو تو عرض کروں؟"

"ہم نے امان دی۔ تمہاری فنی صلاحیتوں نے ہمیں متاثر کیا ہے۔ ہم سے کھل کر باتیں کرو۔"

"حضور کا اقبال بلند رہے۔ میں نے کمبھ کے میلے میں انجلی کو پہلی بار دیکھا۔ وہ میرے دل و دماغ میں اس طرح نقش ہوگئی کہ میں نے ایک ہی بار دیکھنے کے بعد ایک ہی رات میں اس کی وہ مورتی تیار کر لی۔"

اس نے ڈنڈا یا کھیلنے والی مورتی کی طرف اشارہ کیا۔ پھر کہا۔ "جب یہ بات اس کے باپ کو معلوم ہوئی تو اس کے باپ نے سپاہیوں کے ساتھ آ کر مجھے گرفتار کر لیا۔ ایک کھنڈر میں لے جا کر تشدد کیا گیا۔ ایسے وقت اس کے بھائی راج تلک راٹھور نے آ کر مجھے بچایا اور کہا کہ میری سلامتی اسی میں ہے کہ میں انجلی سے محبت کرنے کی گستاخی نہ کروں۔ تب ہی میری جان بخشی جائے گی۔ پھر مجھ سے کہا گیا' اگر میں انجلی کی پندرہ مورتیاں بنا کر نہیں دوں۔ وہ

انہیں آپ کے سامنے پیش کریں گے تو آپ میری قدر کریں گے اور دربارِ شاہی میں کوئی اعلیٰ منصب عطا کریں گے۔"

"تمہیں راج کلا مندر کے گرو مہاراج (استادِ معظم) کا عہدہ اور ایک بڑی جاگیر عطا کی جائے گی۔"

آزر شیرازی جھک کر فرشی سلام کرنے لگا۔ شہزادے نے کہا۔ "آگے بولو۔"

وہ بولا۔ "جب میں نے اس کی مورتیاں بنانے کا آغاز کیا اور یہ پہلی بار رات کے وقت میرے پاس آئی تو شرمائی لجائی سی تھی۔ تب میں نے اس کی وہ مورتی بنائی تھی۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر اس شرمانے اور لجانے والی مورتی کی طرف اشارہ کیا۔ پھر کہا۔ "وہ کمبھ کے میلے میں ہی مجھ سے متاثر ہو گئی تھی۔ مجھے دل و جان سے چاہنے لگی تھی۔ دونوں طرف برابر آگ لگی ہوئی تھی۔ ہم ہر رات ایک بند کمرے میں صبح ہونے تک رہتے تھے۔ تب میں نے اس کے جذبات کی عکاسی کرنے کے لئے وہ تیسری مورتی بنائی۔"

شہزادے نے اس تیسری مورتی کو دیکھا۔ انجلی سیج پر لیٹی ہوئی بڑے ہی جذباتی انداز میں کسی کا انتظار کر رہی تھی۔

آزر نے کہا۔ "تب ہم ایک جان اور ایک قالب ہو گئے۔ دریا میں ڈوبنے والا ابھر سکتا ہے۔ ہم ایک دوسرے میں ڈوبنے کے بعد کبھی ابھر نہ سکے۔ تب میں نے وہ چوتھی مورتی بنائی۔"

شہزادے نے اس مورتی کی طرف دیکھا۔ وہ مورتی کہہ رہی تھی کہ انجلی نے غسل کیا ہے۔ اس کے بدن پر پانی کی بوندیں تھیں اور وہ گیلے لباس کو نچوڑ رہی تھی۔

شہزادے نے پوچھا۔ "کیا راج تلک راٹھور کو تم دونوں کے تعلقات کا علم ہے؟"

"مجھے اسی دن کا خوف ہے۔ انہیں علم ہو گا تو وہ میرا سر قلم کر دیں گے۔"

"کیا تم جانتے ہو راج تلک راٹھور نے یہ مورتیاں ہمارے سامنے کیوں پیش کی ہیں؟"

"وہ فن کے قدر دان ہیں اور چاہتے ہیں کہ مجھے آپ کے قدموں میں جگہ مل جائے۔"

شہزادے نے اسے ہمدردی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہوا، تم حقیقت نہیں جانتے۔ اگر جان لیتے تو اپنی اور انجلی کی عشقیہ روداد کبھی نہ سناتے۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا اس غلام سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟"

"راج تلک تمہارے اور انجلی کے تعلقات سے بے خبر تھا اور اس بے خبری میں اپنی بہن کو ہماری حرم میں پہنچانا چاہتا تھا۔ تم اس کے ارادے سے بے خبر تھے۔ اس لئے جو سچ تھا، وہ تم نے کہہ دیا۔"

"اگر وہ حضور کی امانت تھی تو اس غلام نے خیانت کی ہے۔ بندہ سزا کا مستحق ہے۔"

شہزادے نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں۔ تم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس سے محبت کی ہے۔ نہ تم نے جان بوجھ کر ہمیں فریب دیا ہے اور نہ ہی راٹھور جان بوجھ کر ہمیں جھوٹا کھلانا چاہتا تھا۔"

"حضور! میرے اور انجلی کے تعلقات کا علم اس کے بھائی کو ہو گا تو وہ کبھی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"تمہیں ڈرنا نہیں چاہئے۔ تم ہماری پناہ میں ہو۔"

"میں صرف اپنے لئے ہی نہیں، انجلی کے لئے بھی ڈرتا ہوں۔ اس غیرت مند کہلانے والے راجپوت کو جب یہ معلوم ہو گا کہ اس کی بہن کے تعلقات ایک مسلمان سے ہو چکے ہیں تو وہ اسے زندہ جلا دے گا۔"

"تم خاطر جمع رکھو۔ ہمیں اپنی مہر النساء کے پیار کی قسم ہے۔ ہم تمہارے پیار پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "میں اور میری آئندہ نسلیں آپ کے ان احسانات کو قیامت تک یاد رکھیں گی۔"

شہزادے کے حکم سے راج تلک راٹھور کو بلایا گیا۔ وہ حاضر ہوا تو شہزادے نے کہا۔ "ہم اس کلاکار سے بہت خوش ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ انعامات کا مستحق ہے۔ ہماری جاگیر میں جو چیت پور کا علاقہ ہے۔ ہم اسے مرحمت فرماتے ہیں۔ ایک ہزاری ذات اور دو سو سواروں کے منصب پر سرفراز کرتے ہیں۔"

ایک ہزاری ذات اور دو سو سواروں کا مطلب یہ ہوا کہ آئندہ آزر شیرازی کے پاس ایک ہزار مسلح سپاہیوں کا لشکر اور دو سو گھڑ سوار رہا کریں گے اور وہ چیت پور کا جاگیر دار کہلائے گا۔

راج تلک راٹھور نے رشک بھری نظروں سے آزر شیرازی کو دیکھا۔ اس نے بڑی احسان مندی سے کہا۔ ''حضور والا! میری توقع سے زیادہ انعام و اکرام کی بارش کر رہے ہیں۔ میں حضورِ اقدس کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔''

شہزادے نے کہا۔ ''راج تلک راٹھور! ہم اس سے بھی زیادہ اسے انعام دینا چاہتے ہیں۔ تم کیا کہتے ہو؟''

وہ سر جھکا کر بولا۔ ''صاحبِ عالم مہا دیالو ہیں۔ سخی داتا ہیں۔ آزر شیرازی کو ہیرے جواہرات بھی عطا کر سکتے ہیں۔''

شہزادے نے کہا۔ ''ہم صرف ایک ہی ہیرا اس کے حوالے کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہیرا تمہارے گھر میں ہے۔''

راٹھور نے چونک کر شہزادے کو دیکھا۔ اس نے ان تمام مورتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس سے زیادہ قیمتی ہیرا کیا ہوگا؟ ہم حکم دیتے ہیں' اپنی بہن انجلی کو آزر شیرازی کے نکاح میں دے دو۔''

سپہ سالار راج تلک راٹھور کے ذہن کو ایسا زبردست جھٹکا پہنچا کہ وہ کھڑے کھڑے لڑکھڑا گیا۔ اس کے منہ پر زور کی ان دیکھی لات پڑی تھی۔ وہ فوراً ہی گھٹنے ٹیک کر گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ ''حضور والا! میں آپ کا تابعدار' آپ نمک خوار ہوں۔ مجھے نظروں سے اس قدر نہ گرائیں۔ میں اپنے منصب' اپنے عہدے اور اپنی شان و شوکت کے مطابق بہن کو بیاہنا چاہتا ہوں۔''

''ہم نے آزر شیرازی کو جو جاگیر اور منصب داری عطا کی ہے۔ وہ تمہاری شان و شوکت کے عین مطابق ہے۔ یہ جوان تم سے کسی بھی طرح کم تر نہیں ہے۔ ہمارا ایک اور حکم ذہن نشین کرو۔ آزر شیرازی کی ہونے والی زوجہ انجلی تمہارے پاس ہماری امانت ہے۔ اگر وہ تمہاری کسی سازش سے' کسی زہر سے یا کسی حادثے میں مرے گی یا اس کے بدن پر ایک

ہلکی سی بھی خراش آئے گی تو تم باغی اور نافرمان کہلاؤ گے۔ تمہارے لئے سزائے موت لازمی ہو جائے گی۔ ہم سات دنوں کے اندر یہ سننا چاہتے ہیں کہ تم نے بہن کو ڈولی میں بٹھا کر آزر کے گھر پہنچا دیا ہے۔''

راج تلک راٹھور پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ اگر بول پاتا' تب بھی مستقبل کے شہنشاہِ ہندوستان کے آگے زبان بولنے سے انکار کر دیتی۔

شہزادے نے میرِ دربار کو بلا کر آزر شیرازی کی جاگیر اور منصب داری کے سلسلے میں حکم دیا کہ آزر کو فوراً ان انعامات سے نوازا جائے۔ ایسے ہی وقت ایک قاصد نے دہلی سے آ کر خبر سنائی کہ مہابلی شدید بیمار ہیں۔ بسترِ علالت پر اپنے شیخو بابا کو یاد فرما رہے ہیں۔

شہزادہ اسی وقت باپ کی عیادت کے لئے وہاں سے چل پڑا۔ اس کے جاتے ہی راج تلک راٹھور نے غراتے ہوئے آزر شیرازی کو دیکھا۔ پھر غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔ ''بدبخت...! تو سمجھتا ہے' آستین کا سانپ بن کر مجھے ڈس لے گا؟ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

آزر نے اس کے سامنے تن کر کہا۔ ''راٹھور جی....! حدِ ادب میں رہ کر بولو۔ اب میں منصب داری میں کسی طرح تم سے کم نہیں ہوں۔ پھر یہ کہ تم میرے ہونے والے سالے ہو۔ میری موت کی خواہش کرو گے تو اس سے پہلے ہی تمہارا سر قلم کر دیا جائے گا۔''

وہ پلٹ کر وہاں سے جانے لگا۔ پھر دروازے پر رک کر بولا۔ ''تم نے منصوبہ بہت اچھا بنایا تھا۔ مگر اس پہلو پر دھیان نہیں دیا کہ صاحبِ عالم مہر النساء کو جنون کی حد تک چاہتے ہیں۔ ایسی دیوانگی میں انجلی تو کیا' راجہ اندر کے دربار سے کوئی اپسرا بھی آ جائے تو وہ اس کی طرف مائل نہیں ہوں گے۔''

پھر وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ ''افسوس.....آخر گرے زمیں پر اونچی اڑان والے....''

وہ بڑے فاتحانہ انداز میں پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔ راج تلک راٹھور گرنے کے انداز میں فرش پر دو زانو ہو گیا۔ سر یوں جھک گیا' جیسے حالات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر رہا ہو۔

☆☆☆

جلال الدین اکبر ایک طویل عرصے سے بیمار تھا۔ بیماری کی کئی وجوہات تھیں۔ بظاہر تو صحت خراب ہوگئی تھی۔ بخار چڑھتا اترتا رہتا تھا اور دست جاری رہتے تھے۔ ان کے علاوہ اکبر کے دست راست ابوالفضل کے قتل نے پہلے ہی کمر توڑ دی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ دین الٰہی کے پرچار میں ناکامی نے بادشاہ کو اپنی بے بسی اور کمزوری کا احساس دلایا تھا۔

اب سے پہلے لوگ اپنے بادشاہوں کے سامنے سر جھکایا کرتے تھے۔ لیکن اکبر نے جگت گرو بن کر اپنے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ کوئی دین الٰہی کو مانے یا نہ مانے... کوئی مسلمان ہو، ہندو ہو یا کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ بادشاہ کے روبرو آنے والے کو سجدہ کرنا پڑتا تھا۔

اب وہ بستر علالت پر پڑا اپنے اعمال کا حساب کر رہا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ جو کٹر ہندو اور سچے مسلمان تھے۔ وہ اس کے روبرو آنے سے کتراتے تھے۔ ایک جعلی مسجود کے آگے جھکنا نہیں چاہتے تھے۔

غیر مسلم عورتوں کو مشرف بااسلام کئے بغیر شادیاں کرنے کے بُرے نتائج سامنے آ رہے تھے۔ معاشرہ بگڑتا جا رہا تھا۔ کتنے ہی بچے دو مذاہب کے درمیان پیدا ہو کر دوغلے اور ذہنی مریض بن چکے تھے۔

ہندو بیویاں جہاں دیویوں اور دیوتاؤں کی مورتیاں رکھ کر پوجا کرتی تھیں۔ ان کے مسلمان شوہر وہیں رحل پر قرآن مجید رکھا کرتے تھے۔ دین الٰہی کے زیر اثر رہنے والے مسلمانوں نے یہ یکسر بھلا دیا تھا کہ اسلام میں کسی انسان کا تو کیا' جانور کا بت رکھنا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لیکن جگت گرو کے دین الٰہی نے انہیں اس قدر گمراہ کر دیا تھا کہ وہ قرآن مجید جیسی مقدس اور آخری کتاب کو دیویوں اور دیوتاؤں کی مورتیوں کے ساتھ رکھا کرتے تھے۔

اب جلال الدین اکبر کو اپنی غلطیوں اور گمراہیوں کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اس قدر نادم تھا کہ چپ چپ سا رہنے لگا تھا۔ بستر پر پڑا دل ہی دل میں گڑگڑاتا رہتا تھا۔ "یا خدا! ہماری غلطیوں کو اور گمراہیوں کو معاف فرما۔ ہم شیطان صفت مصاحبین کی صحبت میں رہ کر گمراہ ہوتے چلے گئے۔ دین اسلام کی صورت بگاڑ دینی چاہی۔ لیکن ہم خود بگڑ گئے ہیں۔ ہمارے پاس بڑی دولت ہے' بڑی طاقت ہے۔ ہم اپنی قوت سے پوری رعایا کو زیر

وزبر کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنی ایک معمولی سی بیماری دور نہیں کر سکتے۔ ہم شرمندہ ہیں کہ تیرے بندوں کو اپنے آگے سجدے کراتے رہے۔"

وہ دل ہی دل میں گڑگڑاتا رہتا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے۔ شہزادہ سلیم باپ کی عیادت کے لئے آیا تو اس نے پوچھا۔ "کون.....؟"

اب تو مہابلی جگت گرو شہنشاہ جلال الدین اکبر کی نظریں بھی دھندلا گئی تھیں۔ وہ روبرو آنے والوں کو بہ مشکل ہی پہچان پاتا تھا۔

شہزادہ سلیم نے قریب آکر باپ کی قدم بوسی کی۔ اکبر نے تڑپ کر کہا۔ "نہیں۔ نہیں۔ ہمارے آگے نہ جھکو۔ ہمیں سجدہ نہ کرو۔"

شہزادے نے کہا۔ "بابا جانی! ہم ہیں' آپ کے شیخو بابا..... آپ کے خوشامدی اور مفاد پرست حواری آپ کے آگے سجدے کرتے رہے ہیں۔ لیکن ہم نے کبھی نہیں کیا۔ باپ کے پاؤں چومنا بیٹے کی سعادت مندی ہے۔ اس لئے ہم نے قدم بوسی کی ہے۔"

اس نے بیٹے کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "تم آ گئے شیخو بابا! ایک وقت ایسا آتا ہے۔ جب انسان بالکل تنہا رہ جاتا ہے۔ ہم اپنے اعمال کی دلدل میں تنہا دھنستے جا رہے ہیں۔"

"بابا جانی! آپ تنہا نہیں ہیں۔ انسان کے اعمال اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ خدا نے چاہا تو آپ جلد ہی صحت یاب ہو کر پہلے کی طرح چلنے پھرنے لگیں گے۔"

"ہماری آخری خواہش ہے کہ ایک بار اٹھ کر بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں۔ اپنی آنکھوں سے تمہیں تخت نشین ہوتے اور تاج پہنتے دیکھ لیں..... آہ! ہر انسان کہتا ہے کہ یہ اس کی آخری خواہش ہے۔ لیکن اس خواہش کے بعد پھر کوئی آخری خواہش پیدا ہو جاتی ہے..... نہیں۔ ہم کوئی خواہش نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہیں گے۔"

"بابا جانی! آپ ہمیں کوئی حکم دیں۔"

"ہم حکم نہیں دیں گے۔ التجا کریں گے۔ دین الٰہی کی آلودگی سے دین اسلام کو جو نقصان پہنچا ہے' ہماری طرف سے اس کی تلافی کرو۔ جہاں جہاں دین الٰہی کے اثرات رہ گئے ہیں۔ انہیں یکسر مٹا ڈالو۔" شہزادے نے کہا۔ "انشاء اللہ۔ یہی ہوگا۔"

اکبر نے ایک ذرا گہری سانس لی۔ پھر کچھ بولنے لگا۔ اس کی آواز بھی ڈوب ر

تھی۔ کبھی ابھر رہی تھی۔ شہزادہ سر جھکا کر اس کے منہ کے قریب کان لا کر سننے لگا۔ وہ کلمہ طیب پڑھ رہا تھا۔ پھر کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور پڑھتے پڑھتے اچانک ہی چپ ہو گیا۔ زبان ہمیشہ کے لئے بولنے سے معذور ہو گئی۔

شہزادے نے باپ کے سینے سے کان لگائے۔ دھڑکنیں سنائی نہیں دیں۔ نبض ٹٹولی... نبض نہیں ملی۔ اس نے بڑے صدمے سے کہا۔ "بابا جانی...!"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لیکن وہ خوشی کے آنسو تھے۔ اگرچہ باپ کی موت کا صدمہ تھا۔ لیکن خوشی اس بات کی تھی کہ آخری لمحات میں شہنشاہ ہندوستان جلال الدین اکبر نے کلمہ پڑھا تھا۔

پوری سلطنت مغلیہ میں کئی روز تک اکبر کی وفات کا سوگ منایا گیا۔ ایک مہاراجہ نے جگت گرو سے عقیدت ظاہر کرتے ہوئے آزر شیرازی سے کہا۔ "آپ مہا کلاکار ہیں۔ ہمیں جگت گرو کا بہت بڑا مجسمہ تراش کر دیں۔ ہم اسے اپنے راج محل میں رکھیں گے۔"

آزر کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی انجلی نے اس کے پیچھے آکر کہا۔ "میرے مجازی خدا ایسا کوئی مجسمہ نہیں تراشیں گے، جس سے عقیدت پیدا ہو جائے۔ عقیدت ہو گی تو اس کی پرستش بھی ہو گی۔ پرستش ہو گی تو اس کے آگے سجدہ بھی کیا جائے گا اور ہمارے دین اسلام میں خدا کے سوا کسی کے آگے سجدہ روا نہیں ہے۔"

وہ مہاراجہ سر جھکا کر چلا گیا۔ آزر شیرازی نے ہنستے ہوئے انجلی کو کھینچ کر اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

(ختم شد)

تاریخی پس منظر کے ماخذ

آئینِ اکبری:	ابوالفضل	اکبر نامہ:	ابوالفضل
اکبر دی گریٹ مغل:	وی اے اسمتھ	بادشاہ نامہ:	محمد وارث
ہسٹری آف جہانگیر:	ڈاکٹر بنی پرشاد	تاریخ ہندوستان:	ذکاء اللہ

☆☆☆